جلد23شمارہ-06 وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا اگست 2020

ماہنامہ

صوت الحق

کراچی

اس شمارے میں

نمبر شمار	عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
01	حکومت کی بے بسی۔۔۔مافیاؤں کی مسلسل۔۔	اداریہ-1	03
02	تعلیم وتدریس ایک مشن تصور کیا جاتا تھا	اداریہ-2	06
03	متحدہ اسلام کا منشور [اختتام]	ڈاکٹر راشد شاز	08
04	قرآن میں قربانی یا ذبح عظیم سے کیا مراد ہے	اورنگزیب یوسفزئی	11
05	انسانی زندگی کی کہانی	خواجہ ازہر عباس	13
06	وحی خداوندی	علامہ غلام احمد پرویز	17
07	جمہوریت کا جدید لبادہ۔۔۔سیکولرازم	صلاح الدین ایوبی ثانی	24
08	قائداعظم اور پاکستان کا نظام حکومت	پروفیسر حمید رضا صدیقی	28
09	تحریک پاکستان کے گولڈڈلیسٹ	سید ناظر علی	33
10	سورۃ البلد [90] ترجمہ	اورنگزیب یوسفزئی	35
11	Sur---Al-Balad[90]	Aurangzaib	01

ادارہ کا مضمون نگار حضرات کی تحریر وعقائد سے متفق ہونا ضروری نہیں

مضامین وخط وکتابت کے لئے،

ادارہ صوت الحق L-9، سیکٹر 5C-4 نارتھ کراچی، 75850 (پاکستان)

Cell No. 0333 2254315 / Jazz A/C 0301 3300544

saut-ul-haq@hotmail.com

کمپوزنگ/ڈیزائننگ: راحیل شیخ۔ معرفت صوت الحق۔ کراچی

پرنٹر: نیو مجاز پریس بلوچ پارک ایم اے جناح روڈ۔ کراچی

سرپرست

سید ناظر علی

چیئرمین

خواجہ ازہر عباس

مدیر

شیخ راشد احمد

نائب مدیر

ڈاکٹر شاکر حسین خان

مجلس ادارت

ڈاکٹر شہاب عالم۔۔۔محمد عامر

محمد ثاقب۔۔۔عاشر احمد۔۔۔شاہینہ خانم

قانونی مشیر

ملک محمد صفدر فیضی (ایڈووکیٹ) ملتان

مشیران

محمد روشن عباسی صاحب

محمد ادریس جنجوعہ صاحب

انیس خان صاحب

ظفر شاہ صاحب

زر تعاون فی شمارہ-/55روپے

پاکستان-/600روپے سالانہ

بیرون ملک-/3000روپے سالانہ

بینک اکاونٹ نمبر

SHAIKH RASHID AHMED

IBAN #

PK94FAYS0002211500000699

FAYSAL BANK LTD

POWER HOUSE UP MORE

BRANCH NORTH KARACHI

-75850 PAKISTAN

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

کلامُ اللّٰہ

﴿ دُنیا میں انسان کا اوّلین جنتی معاشرہ ﴾

وَ قُلۡنَا یٰۤاٰدَمُ اسۡکُنۡ اَنۡتَ وَ زَوۡجُکَ الۡجَنَّۃَ وَ کُلَا مِنۡہَا رَغَدًا حَیۡثُ شِئۡتُمَا ۪ وَ لَا تَقۡرَبَا ہٰذِہِ الشَّجَرَۃَ فَتَکُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ☆ انسان سے کہا گیا، تم سب باہمی رفاقت اور ہم آہنگی سے اس جنتی معاشرہ میں رہو اور فراغت سے کھاؤ پیو،، جہاں سے جی چاہے، لیکن انفرادی مفاد پرستیوں کے اختلافات (مشاجرت) سے بچ کر رہنا، ورنہ اپنے ہاتھوں اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھو گے (سورۃ البقرہ۔35)

انسان کو جملہ صلاحیتوں کے ساتھ دُنیا میں بسا دیا گیا، اس کی ابتدائی زندگی کا نقشہ کچھ اس طرح کا تھا کہ انسانی آبادی اس وقت بہت کم تھی، اوران کی ضروریات بھی محدود تھیں، اور سامان زندگی ان کی ضرورت کے مطابق بہت تھا، اس لئے انسانوں میں باہمی اختلاف و افتراق اور تصادم نہیں تھا، انسانوں میں ہنوز ذاتی مفاد پرستی کا مرض پیدا نہیں ہوا تھا، لہٰذا تمام انسان ایک برادری کی طرح رہتے تھے۔ چنانچہ اس پُر آسائش و پرسکون معاشرہ کو جنت کہا گیا ہے۔ **شَجَرَ** کے بنیادی معنی ہیں ہر وہ چیز جو مجتمع ہو کر پھر کسی وجہ سے متفرق ہو جائے، اسی سے **شَجَرَ بَیۡنَہُم** (4-65) باہمی اختلافات کے معنوں میں آیا ہے **اشجر** درخت کو بھی کہتے ہیں اس لئے کہ اس کے ایک تنا کے اُوپر شاخیں منتشر اور بکھری ہوئی ہیں۔ قصہ آدم میں انسان کو جس شجر سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے وہ کوئی درخت نہیں تھا، بلکہ انفرادی مفاد پرستوں کی وجہ سے انسانوں کی درمیان جن اختلافات وفسادات یا مشاجرت کے پیدا ہو جانے کا خدشہ تھا، اس کا ذکر کیا گیا ہے، انسان سے کہا گیا کہ، اگر تم نے انفرادی مفاد پرستیوں میں پڑکر باہمی اختلاف وافتراق شروع کردیا، تو یہ جنتی زندگی تم سے چھن جائے گی اور تم زندگی کے بلند مقاصد تو ایک طرف سامان زندگی کے حاصل کرنے میں بھی بے پناہ مشکلوں میں پڑ جاؤ گے۔

حکومت کی بے بسی۔ مافیاوں کی مسلسل جیت

خیال وخواب کی صورت بکھر گیا ماضی
نہ سلسلے نہ وہ قصے نہ اب وہ افسانے

نہ قدرداں، نہ کوئی ہم زباں، نہ انساں دوست
فضائے شہر سے بہتر ہیں اب تو ویرانے

عمران خان کی فلاحی واصلاحی عزائم رکھنے والی حکومت کی بے بسی و بے کسی کے نت نئے نظارے آئے دن سامنے آکر حرزِ جاں بنتے جارہے ہیں۔ روزانہ ایک آدھ اچھی خبر تو ضرور ساعت سے گذرتی ہے، لیکن ملی میدان میں عوامی طبقات کی مجموعی خیر خواہی کا کوئی ٹھوس اور دیرپا اقدام بروئے کار آتا نظر نہیں آتا۔ آٹا، چینی سابق سے بھی مہنگے ریٹ پر کھلے عام بلیک کئے جارہے ہیں، اور کوئی سرکاری محکمہ چیک، پڑتال یا تادیبی کاروائی کے لئے موجود نہیں ہے۔ پٹرول، بجلی کے ظالمانہ ریٹ جو عوام کی روٹی کا سارا بجٹ کھاجاتے ہیں، اُسی طرح نافذ ہیں۔ پٹرول میں اگر ریلیف دی بھی گئی تو نہایت ہی مختصر عرصے کے لئے، جو صرف چند دنوں پر محیط تھا۔ اور کل ہی یہ ریٹ نہایت عجلت کے انداز میں پھر ایک صدروپے تک پہنچادیا گیا۔ یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ عمران خان حکومت کے اس اقدام نے ایک ملک گیر غم وغصے کو جنم دیا ہے۔ اور پی ٹی آئی کے بڑے بڑے حمایتی بھی اب اپنی پارٹی پر شدید نکتہ چینی کرتے دیکھے جاسکتے ہیں۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آج تک یہ حکومت وطنِ عزیز کو، اور درحقیقت اس کے غریب باسیوں کو، سیخوں میں پروکر، آگ کے شعلوں پر بھون کر، سفاچٹ کھاجانے والے سیاسی اور غیر سیاسی عفریتوں میں سے کسی ایک کو بھی سزادے کر عبرت کا سامان بنادینے میں ناکام رہی ہے۔ اور صرف باتوں اور ایسی کھوکھلی منصوبہ بندیوں میں اپنا قیمتی وقت ضائع کررہی ہے جن پر عمل درآمد کے لئے اُس کے پاس دیانت دار اور مُحبِ وطن مشینری ہی میسر نہیں ہے۔ حکومت کو بارہا تنبیہ کی جاچکی ہے کہ تمام تر نیک نیتی کے ساتھ کیے گئے اقدام بھی نتیجہ خیز نہیں ہوسکتے جب تک کہ سرکاری مشینری ایک بڑی تطہیر کے عمل سے گذاری نہیں جاتی۔ اس تطہیر کے عمل میں کم ازکم ساٹھ سے ستر فیصد کے لگ بھگ سرکاری اہلکاروں کی سبکدوشی بھی شامل ہونی ضروری ہے جو عادتاً اور فطرتاً کرپٹ ہوچکے ہیں، اور کسی طور پر بھی اصلاح کے اہل نہیں رہ گئے۔

ان مذکورہ عفریتوں میں وطن کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے سردار، وڈیرے، چوہدری اور سیاست دان شامل ہیں۔ سابقہ حکمرانوں کے پالے، بڑے سرمایہ داروں کی مافیائیں، جن میں آٹا اور چینی کے اجارہ دار، بجلی پیدا کرنے کے اجارہ دار [آئی پی پیز]، بڑے صنعت کار اور بڑے تاجر ودرآمد کنندگان شامل ہیں۔ گیس اور پٹرولیم مصنوعات کی تقسیم کاری کے اجارہ دار، ٹرانسپورٹ کے نظام پر قابض اجارہ دار، ملک ریاض جیسے عظیم اُچکوں کی قماش کے قبضہ گیر شامل ہیں۔ بجلی، گیس اور ٹیلیفون وانٹرنیٹ کی ترسیل وتقسیم

کے اجارہ دار سرکاری محکمے، اور نہ جانے کون کون شامل ہیں۔ اور یہ سبھی عفریت آج بھی حسب سابق اپنی من مانی کرنے میں دندناتے پھر رہے ہیں۔ عوام کے گوشت اور ہڈیوں سے خون کے آخری قطرے نچوڑے جا رہے ہیں۔ ملک ریاض آج بھی خو... عائد کردہ ساڑھے چار سو ارب روپے کے لگ بھگ جرمانہ اپنے پلاٹوں کے خریداروں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ کر اُنہی کی جیبوں سے وصول کر رہا ہے۔ اور کسی کی مجال نہیں کہ ہماری تاریخ کے اس عظیم ترین اُچکّے کی بد دیانتی کی کاروائیوں کو لگام ڈال سکے۔

آٹا اور چینی کے ریٹ کم کرنے میں حکومت ناکام۔ پٹرولیم مصنوعات کی فراہمی ممکن بنانے میں حکومت ناکام۔ پٹرول اور ڈیزل کی کمی کردہ قیمتیں برقرار رکھنے میں حکومت ناکام۔ پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں حالیہ بڑی کمی کے باوجود کسی ایک بھی صارفین کی اشیاء کی قیمت میں ذرہ برابر کمی کروانے میں حکومت ناکام۔ سرکاری حکام یعنی نوکر شاہی اور چھوٹے اہلکاروں کی کرپشن کا سدّ باب کرنے میں حکومت بالکل ناکام۔ ریلوے اور ٹرانسپورٹ کے بڑھتے کرایوں کو روکنے میں حکومت ناکام۔ بجلی کے ظالمانہ یونٹ ریٹ کم کرنے میں حکومت ناکام۔ رشوتیں، دھاندلیاں کم کرنے اور غریب عوام کو انصاف کی فراہمی میں حکومت ناکام۔ ایلیٹ کلاس کے مجرموں، قاتلوں اور کرپٹ عناصر کو عدالتوں سے ملنے والی مسلسل ریلیف کو روکنے میں حکومت مکمل ناکام۔ حتّٰی کہ کرونا کی وبا سے نمٹنے کی کاروائیوں میں میڈیکل کے شعبے کی گھمبیر بدعنوانیاں روکنے میں حکومت مکمل ناکام۔

بیشک پٹرولیم کی قیمتیں بین الاقوامی مارکیٹ میں سابقہ ایک ماہ میں کافی سے زیادہ بڑھ چکی ہیں، لیکن معمول کے برخلاف، پٹرول مافیا نے پٹرول کی قیمت میں بتدریج بڑھوتری کی بجائے، یکدم 25 روپے فی لٹر اضافہ کروالیا، جس کی ماضی میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اب اس کو وجہ بنا کر تمام اشیائے صارفین کی قیمت میں بے تحاشا اضافے کو حکومت ہرگز روک نہیں پائے گی۔ پی آئی اے میں 40 فیصد جعلی ڈگریوں اور جعلی لائسنسوں والے پائلٹ عیاشیاں کر رہے ہیں۔ انہیں بھی یہ حکومت نکال باہر نہ کر پائے گی، کیونکہ وہ عدالتوں سے سٹے آرڈر لے لیں گے۔ خود سول ایوی ایشن کے وزیر کی ڈگری یا ڈپلومہ بھی جعلی ہونے کے ثبوت سوشل میڈیا پر شائع کیے جا رہے ہیں۔ موصوف پی ٹی آئی کے ٹکٹ پر الیکشن جیتنے والے ایم این اے ہیں۔ پارٹی کے اندر اور کولیشن حکومت میں موجود بلیک میلر ذہنیت رکھنے والے عناصر جو حکومت کو گرانے کے لیے دن رات کوشاں ہیں، اُن کے سدّ باب میں بھی حکومت اب تک ناکام ہے۔ الغرض، یہ ملک اور اس کی ازل سے داغدار گورننس اب پہلے سے بھی زیادہ قیامت کے مناظر پیش کرے گی۔

غور سے کیلکولیشن کی جائے تو صرف بجلی کے صارفین کو چارج کیے جانے والے بل ہی اس امر کے لیے کافی ہیں کہ اگر کسی مبنی بر انصاف عدالت میں پیش کیے جائیں تو عوام پر روا رکھی جانے والی غیر آئینی زیادتیوں اور دھاندلیوں پر حکومتِ وقت کو بآسانی نااہل اور بد دیانت قرار دے کر رُخصت کیا جا سکتا ہے۔ فون اور انٹرنیٹ کے بلوں میں ہمیشہ سے عوام سے چارج کئے جانے والے ناجائز ٹیکس بھی حکومتی ظلم و لوٹ کھسوٹ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ لیکن ۔۔۔ ایسی عدالت اور ایسے جج کوئی کہاں سے لائے؟؟؟ یہ جنس تو یہاں اب "ایں خیال است و محال است" والا معاملہ بن چکی ہے!!!

عمران خان اگر اس ملک میں عوامی حقوق کی پامالی روکنے کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تو اُسے چاہیئے کہ مطلق العنان صد... طرزِ حکومت کا ایک پلان قوم کے سامنے اپنی پارٹی کے نئے منشور کے طور پر پیش کرے، اور اُس منشور کی بنیاد پر بغیر کسی تاخیر...

الیکشن کے لیے خود کو قوم کے سامنے پیش کردے۔ البتہ توقع یہی ہے کہ ایسے کسی بھی آنے والے الیکشن میں بڑے سرمایے کا مالک ٹولہ اُسے ناکام کرکے باہر نکال دے گا۔ یہ الیکشن کا جمہوری طریق کار ایسا ہی شیطانی عمل ہے کہ جس میں صرف سرمایہ دار اور طاقتور کی جیت ہوتی ہے۔ موجودہ سرمایہ دارانہ جمہوریت قرآن دشمن نظامِ حکومت ہے۔ اقبال نے اسے "دیوِ استبداد، جمہوری قبا میں پائے کوب" کہا ہے، جہاں صرف تعداد کی گنتی گنی جاتی ہے۔ قرآن میں ایک واحد جماعت کی شورائی حکومت کو ہی جائز قرار دیا گیا ہے۔ جس کا چناؤ صرف اور صرف تقویٰ کی بنیاد پر کیا گیا ہو۔ تقویٰ سے مراد خشیتِ الٰہی سے جُزوی کردار کی پاکیزگی ہے۔

اِنّا لِلّٰہِ و اِنّا اِلیہِ راجِعُون۔

پاکستانی عدلیہ کے اجتماعی کردار کے مسئلہ پر فی الوقت پوری شدّ ومدّ کے ساتھ نکتہ چینی اور رائے زنی کا سلسلہ جاری ہے۔ حالیہ دو ڈھائی برسوں میں عدلیہ کی جانب سے کئے گئے فیصلے متنازعہ نوعیت کے حامل پائے گئے ہیں۔ قاتلوں اور طاقتور سیاسی مجرموں کو پے در پے ریلیف کا ملنا بالآخر عوامی ردِّعمل کا باعث بنا ہے۔ شیعہ ذاکر آغا افتخار الدین کی جانب سے ہمارے سیاست دانوں اور عدلیہ پر ایک نہایت تلخ اور حسبِ حال تبصرہ دو روز قبل ہی ویڈیو پر نشر کیا گیا ہے۔ عدلیہ نے اس پر برافروختہ ہوکر سوموٹو نوٹس لے لیا ہے۔ اب آغا صاحب چیف جسٹس کی عدالت میں پیش ہوکر توہینِ عدالت کے الزام میں اپنی صفاء پیش کریں گے۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا جو کچھ اُنہوں نے کہا ہے اُس میں ذرہ برابر بھی مبالغہ یا توہینِ عدالت کا مواد پایا جاتا ہے؟ یا یہ صرف اور صرف ایک ایسی حقیقت بیانی ہے جس سے ہر باشعور پاکستانی ما قبل سے ہی بخوبی آگاہ ہے؟؟؟ اور عدلیہ کو اس پر خفگی کا اظہار کرنے کی بجائے، اپنے کردار اور بدبودار نظام کو بدلنا چاہیئے یا خطیب مذکور سے معافی وصول کرنے کے لیے مجلس لگا کر عدالت کا قیمتی وقت اور عوام کے خون پسینے سے جمع کیا ہوا پیسہ ضائع کرنا چاہیئے؟؟؟

عدلیہ کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہمیں عوامی جذبات کے تناظر میں یہ کہنے میں کوئی تامّل نہیں کہ پاکستانی عوام کی نظروں میں پاکستانی عدلیہ کی نیّا ڈوب چکی ہے۔ اب عوامی سطح پر ہر جانب سے عدلیہ کے بارے آغا افتخار الدین سے بھی زیادہ سخت الفاظ میں مذموم نوعیت کے اظہاریئے جاری کیے جا رہے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ گیا ہے کہ ہمارا نظامِ عدل اب اپنے آخری انجام کے قریب ہے اور اس کے منہدم ہونے کی تیاریاں جاری ہیں۔ نوشتۂ دیوار کافی قبل سے ہی سامنے نظر آتا تھا۔ لیکن عدلیہ کے ناخداوں نے اپنی طاقت اور اپنی سیاسی وابستگیوں کے سفلی جذبات کو نظرانداز کرنے سے پہلوتہی کی، اور انتہائی جانبداری سے کام لے کر ملک وقوم کے ناموس کے برخلاف فیصلے صادر کرتے رہے۔ آج عوام کے کسی بھی طبقے میں اُن کے لئے احترام کا ایک ذرہ بھی باقی نہ رہا ہے۔ عدلیہ کی شان میں جو شعر زبان زدِ عام ہے وہ کچھ اس طرح تحریر کیا گیا ہے:

تیری گفتار پہ حیرت، تیرے کردار پہ خاک
قاضیِ عصر تیرے عدل کے دربار پہ خاک

پس "حزر اے چیرہ دستاں، کہ سخت ہیں فطرت کی تعزیریں"۔

تعلیم وتدریس ایک مشن تصور کیا جاتا تھا

بے ایمان کورونا نے دکھوں کی ماری قوم کا حکومتوں سے ساز باز کر کے کچومر نکال کے رکھ دیا ہے، مہنگائی کی شرح ان دو سالوں میں اس قدر بڑھ گئی ہے کہ آٹا چکیوں سے کلو دو کلو آٹا خریدنے پر مجبور لوگ بھی نظر آرہے ہیں خوردنی تیل جو کبھی 165 سے 170 روپے تک ملتا تھا اس وقت اس کی قیمت 245 روپے تک پہنچ چکی ہے باقی اشیاء خوردونوش کی قیمتوں میں اضافہ کا اندازہ اسی سے کیا جاسکتا ہے۔ کورونا وائرس کی آوارہ گردی سے بے روزگاری میں مزید اضافہ ہو گیا ہے ،ایک خبر کے مطابق بقول جناب وزیر اعظم عمران خان موجودہ حالات کی وجہ سے 30 لاکھ افراد بے روزگار ہو چکے ہیں ،ایک اندازے کے مطابق 30 فیصد سے زائد آبادی پہلے ہی غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ بازاروں، مارکیٹوں اور سبزی منڈیوں میں ایسے لوگ ہاتھ پھیلاتے دکھائی دے رہے ہیں جن کو ڈھنگ سے مانگنا بھی نہیں آتا گویا غربت اور بے بسی کے ہاتھوں مجبور ہو کر مانگنے والوں کی ایک نئی کھیپ تیار ہو چکی ہے۔ مستقبل میں یہ لوگ باعزت روزگار کی جانب لوٹ پائیں گے یا اسی روش پر قناعت کر کے بیٹھ جائیں گے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہمارا معاشرہ ملٹی پل رویوں کا حامل معاشرہ ہے، جس میں خیر اور شر کے مظاہر ساتھ ساتھ دکھائی دیتے ہیں کورونا وائرس کی وجہ سے لاک ڈاون کے دوران ایسے افراد بھی دیکھنے کو ملے جنھوں نے دس سے پندرہ گھروں کے اخراجات اکیلے برداشت کئے اور اسی معاشرے میں 5 روپے کا عام سا ماسک 50 روپے میں بھی میسر نہیں تھا بہتر درجے کا ماسک جو کبھی ڈیڑھ دو سو میں مل جاتا تھا ڈھائی ہزار روپے میں بھی دستیاب نہیں تھا 50 یا 60 روپے میں ملنے والی ڈیٹول کی سب سے چھوٹی پیکنگ 130 تک بک رہی وہ بھی دکانداروں کے احسان کے ساتھ! ان نازک حالات میں ہر وہ چیز جو زندہ رہنے یا زندگی بچانے کے لوازمات کے دائرے میں آتی ہے اس پر دسترس رکھنے والوں نے مجبور لوگوں کو بڑی بے رحمی اور دونوں ہاتھوں سے لوٹا اس کے باوجود الحاج کے الحاج بھی کہلاتے رہے، یہ بے رحم طبقہ کسی ایک شعبے سے تعلق نہیں رکھتا، ہر شعبہ زندگی میں اس نے پنجے گاڑ رکھے ہیں۔ قوم کی بدنصیبی کہئے کہ شیوہ پیغمبری سے تعبیر دیا جانے والا شعبہ تعلیم بھی ان بے رحم ہاتھوں کی سختی سے محفوظ نہیں رہا اپنی نسلوں کو معیاری تعلیم دلا کر بہتر مستقبل کے خواب دیکھنے والے والدین جن کے بچے بڑی بڑی چینز رکھنے والے مہنگے پرائیوٹ تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم ہیں بلا تعلیمی وتدریسی عمل کے فیس ادا کرنے پر مجبور نظر آئے حالات کے ہاتھوں مجبور لوگ جو پہلے ہی بمشکل اپنے بچوں کے تعلیمی اخراجات پورے کر رہے تھے فیسوں میں ریلیف کے لئے تعلیمی اداروں کے مالکان کے ترلے لیتے دکھائی دیئے، لیکن ان اداروں کی چین میں سے کوئی بھی اپنے مفادات پر کمپرومائز کرنے کے لئے تیار نا ہوا۔ ان نامی گرامی اداروں کی فیسوں میں ہوشربا اضافوں کے خلاف والدین اور بچے کورونا وائرس کی دہشت گردی سے پہلے ہی سڑکوں پر احتجاج کر رہے تھے، والدین ایک عرصے تک فیسوں کے معاملے میں عدالت کے فیصلوں پر عملدرآمد کروانے کے لئے فٹ

بال بنے رہے ہیں۔ پرائیویٹ تعلیمی اداروں کے زیرعتاب ان والدین کو کورونا وائرس کی وجہ سے بند تعلیمی اداروں کی فیسوں میں رعایت کے حصول کے لئے ایک مرتبہ پھر عدالتوں کا دروازہ کھٹکانا پڑا جہاں سے انہیں 20 فیصد رعائت مل پائی۔ ہمارے حکمران ہر شعبے کی طرح تعلیم جیسے حساس شعبے اور بنیادی ترین ذمہ داری سے بھی دست کش ہوتی جارہی ہے جس کا خمیازہ قوم کو پرائیویٹ تعلیمی اداروں کے جبر کی شکل میں برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔

ایک وقت تھا جب تعلیم وتدریس ایک مشن تصور کیا جاتا تھا لیکن اب یہ شعبہ بھی بے رحم بزنس مینوں کے ہتھے چڑھ گیا ہے اور منافع بخش کاروبار کی شکل اختیار کر چکا ہے تعلیم کی آڑ میں فیکٹریاں وجود میں آچکی ہیں دنیادار تو دنیادار اچھے بھلے دیندار لوگ بھی تعلیمی اداروں کی بڑی بڑی چین بنا کر دنیاداروں کی طرح بہتی گنگا میں ہاتھ صاف کر رہے ہیں۔ میرے ایک دوست کے بقول اسلامی پاکستان خوشحال پاکستان کے نعرے بلند کرنے والی جماعت کے اہم مرکزی لیڈروں کی بنائی ہوئی تعلیمی اداروں کی چین میں سے ایک منصورہ برانچ میں انہی کی جماعت کے ایک رکن کے بچے زیر تعلیم ہیں جن کو عدالت سے ملنے والا بیس فیصد ریلیف بھی نہیں مل سکا۔ سننے میں آرہا ہے کہ ان اسلامی بزنس مینوں کی تعلیمی چین جو ہمارے علم کے مطابق 576 برانچز رکھتی ہے اپنے لوگوں کے ساتھ ہر طالبعلم کو ماسک اور سینی ٹائزر بھی خود تیار کر کے فراہم کرے گی، اسی طرح کی روش باقی نجی تعلیمی اداروں کی چینز کی طرف سے اختیار کرنے کی توقع رکھی جاسکتی ہے والدین اپنے بچوں کے مستقبل کے ہاتھوں مجبور ہو کر وردی، کتابوں اور سٹیشنری کی طرح ماسک اور سینی ٹائزر بھی خریدنے پر مجبور ہونگے البتہ یہ متقین ماسک اور سینی ٹائزر اپنے اداروں میں زیر تعلیم طلباء کو مفت فراہم کریں تو یہ بڑی خدمت ہوگی۔ یوں لگتا ہے کہ ہماری حکومت تمام ذمہ داریوں سے دست کش ہو کر کورونا وائرس کے ساتھ نورا کشتی کھیلتی رہے گی اور بے چارے عوام ہر شعبے کے دنیادار اور دیندار حرص وہوس کے پجاریوں کے ہاتھوں لٹتے رہیں گے۔

اللہ کا ایک آفاقی قانون ہے۔ اس کا کسی صورت بھی انکار نہیں کیا جاسکتا، بحروبر میں فساد اور عذاب انسانوں کا اللہ کی کتاب کے خلاف اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں، اور یہ کسی قوم اور شخص کے کنٹرول میں نہیں ہوتے، یہ ایک افواہ ضرور ہے کہ کورونا وائرس یہودیوں کنٹرول میں ہے وہ پھیلا رہا ہے اور اگر اس کے کنٹرول میں ہے تو وہ مجرم ہے اگر تم کو پتہ ہے تو باقی حکومتوں کو نہیں پتہ کہ وہ انسانوں کا قاتل ہے اس پر بین الاقوامی عدالت میں مقدمہ کیا جائے، ہم نے دیکھا کہ سب سے زیادہ امریکن مر رہے ہیں جو یہودیوں کے حلیف ہیں، اور پوری دنیا لاڈاؤن ہے۔ اللہ کا یہ عذاب ورننگ ہے تاکہ اللہ کی کتاب کی طرف لوگ رجوع کریں، اگر رجوع نہیں کریں گے تو اس کے بعد اس سے بڑے عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ یہ عذاب کا آفاقی قانون ہے اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا **ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ** [30-41] خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ مزہ چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ باز آئیں O مگر ہم وہ بدبخت لوگ ہیں ہم ہرگز باز نہ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے قانون سے ہم سب کو آگاہ رہیں کہ ہر وہ شخص تباہ برباد ہو کر رہے گا جس کی زندگی مقصد ہی یہ ہو کہ وہ دولت اکھٹی کرتا رہے اور پھر گنتا رہے کہ اب کتنا روپیہ جمع ہو گیا۔

ڈاکٹر راشد شاز

متحدہ اسلام کا منشور۔۔[اختتام]

متحدہ اسلام: امکانات واندیشے

گذشتہ ہزار برسوں سے ہم جس متوارث اسلام پر کاربند ہیں اور جس طرح ہم تاریخ کے مختلف ادوار میں متشکل ہونے والے مختلف تصورات کو دین قرار دیتے رہے ہیں، ایسی صورت حال میں یہ اندیشہ بالکل فطری ہے کہ اگر مروجہ دینداری کی بساط لپیٹ دی جائے تو پھر فقہی مسلمانوں کے دین کا کیا ہوگا۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ فقہاء ومحدثین کے بغیر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا انجام دینا مشکل ہو جائے گا۔ یہ مغالطہ عام ہے کہ مفسرین جب تک شان نزول کی بابت آگاہ نہ کریں ہم پر متن قرآنی کے معانی منکشف ہونگے اور نہ ہی متصوفین اور اہل اللہ کے بغیر ہمارے قلوب مراقبہ کی سکینت اور مشاہدہ کی تجلیوں سے منور ہو سکیں گے۔ گویا مروجہ دینداری پر خط تنسیخ پھیرنے سے فی نفسہ مذہب کا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جائے گا۔ ہمارے خیال میں اس قسم کے اندیشے دین مبین کی ناقص تفہیم کے سبب ہے۔ ذرا غور کیجیے! ان فقہاء ومحدثین اور مفسرین ومتصوفین کے ظہور میں آنے سے پہلے مسلمانوں کی ملی اور مذہبی زندگی کس طرح قائم ودائم تھی؟ تشریح وتعبیر کا باہمی اختلاف اور مختلف پالیسی امور پر مختلف آراء تو اس وقت بھی پائی جاتی تھیں لیکن اس کے باوجود امت کا متحدہ قالب برقرار تھا۔ ایسا اس لیے کہ غیاب پیغمبر میں قرآن مجید کو مرکزی حوالے کی حیثیت حاصل تھی۔ تب مکروہ ومباح کی بحثوں نے سر نہیں اٹھایا تھا اور نہ ہی کسی کے لیے ممکن تھا کہ وہ ایک جاری طرز عمل یعنی سنت ثابتہ مکشوفہ پر ایک حدیث قولی یا خبر احاد کے ذریعہ سوالیہ نشان لگا دیتا۔ تب خدا کی کتاب مبین اور مبرہن سمجھی جاتی تھی۔ کسی کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ آتی کہ یہاں کوئی بات خدا نے تشنہ چھوڑ دی ہے یا کوئی نکتہ سمجھائے جانے سے رہ گیا ہے جس کی تشریح وتعبیر کا فریضہ اسے انجام دینا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں سپردہ نفسوں کا ایک ایسا معاشرہ قائم کر دیا تھا جسے اپنی تاریخ کے اگلے تمام مراحل میں قرآن مجید کو نشان راہ کے طور پر برتنا تھا۔ گویا خدا کی کتاب اور رسول اللہ صلعم کا اسوۂ جانفزا ایک ایسی جیتی جاگتی خلاقانہ روایت کے طور پر متشکل ہو گیا تھا جہاں اہلِ ایمان کو ربائیت، پاپائیت یا مشائخیت کے خلا کا احساس نہ ہوتا۔ آج بھی دین فقہا کے تشتت سے دامن بچانے والوں کو دین اسلام میں اسی وسعت اور حیات افزا تازگی کا احساس ہوگا جو کسی نئے پیغمبر کی آمد اور جامد رسوم دینداری کے خاتمے پر ہوا کرتا ہے۔ اسے شاید اس بات سے تو محرومی رہے کہ وضو کے فرائض چار ہیں یا چھ یا سات اور اس کی سنتیں یا نوافل کیا کیا اور کتنی ہیں، یا یہ کہ نماز میں رفع یدین، قرأت فاتحہ خلف امام یا آمین بالجہر کی کتنی اہمیت ہے لیکن فی نفسہ وضو اور نماز کی ادائیگی میں اسے کوئی دشواری پیش نہ آئے گی۔ ایسا اس لیے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ روایت عہد بہ عہد نسلاً بعد نسل ہمیں اس طرح منتقل ہوتی رہی ہے کہ ہم آج خود کو اس کڑی کے ایک تسلسل کے طور پر پاتے ہیں۔ اختلافات تو فقہاء کی موشگافیوں کی پیداوار ہیں یا راویوں کی متضاد روایتوں نے انھیں جنم دیا ہے۔ بھلا بتائیے! ہم میں سے کتنے مسلمان ہیں جنھیں وضو کی سنتوں یا اس کے نوافل واستحباب کا علم ہے لیکن اس کے باوجود ہماری نمازیں جاری ہیں۔ دین کے نام پر فقہی

موشگافیوں کی طویل طولانی بحثیں اور ضخیم وجسیم دفاتر کا، سچ تو یہ ہے کہ متحرک عملی زندگی سے کچھ بھی علاقہ نہیں۔ ہاں جدال فقہی اور غیر ضروری مناقشوں کے لیے یہاں خاصا سامان پایا جاتا ہے۔ پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم ان ضخیم وجسیم مجلدات کو نیست ونابود کرنے کی دعوت نہیں دے رہے ہیں، بلکہ انھیں صرف تشریعی مقام سے معزول کرنے کے داعی ہیں تا کہ ایک بار پھر مسلم معاشرے میں قرآن مجید کی مرکزی حیثیت بحال ہوسکے۔

یادرکھئے! غیاب پیغمبر میں قرآن مجید ہی وہ واحد وثیقۂ وحی ہے جو تمام شکوک وشبہات سے بالاتر، تمام ہی اہل ایمان کے لیے، کم از کم نظری طور پر، متفقہ منشور کی حیثیت رکھتا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مشن، اس کی ترجیحات اور اس کے غایت واہداف کا بیان خدا کی اس کتاب سے بہتر اور کہاں مل سکتا ہے؟ ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ وحی کے اس لازوال ماخذ کو آخری لحہ تک اقوام عالم کی رشدوہدایت کا کام انجام دینا ہے۔ پھر یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ اس روشن کتاب کو ناسخ ومنسوخ، خاص وعام اور شانِ نزول کی ظنی تاویلات کے ذریعہ کالعدم قرار دے ڈالا جائے یا اس کی آیات احکام تو علمائے شرع اپنی مشقِ ستم کے لیے منتخب کرلیں اور آیاتِ اکتشاف وموعظۃ وحکمۃ کی ایک کثیر تعداد محض کتاب تلاوت بنا کر رکھ دی جائے۔

ہمیں توقع ہے کہ قرآن مجید کو نشان راہ کے طور پر برتنے کی یہ دعوت مکمل قرآن کو پھر سے ہمارے مطالعہ کی میز پر لے آئے گی۔ اور اگر ایسا ہوسکا تو نہ صرف یہ کہ ذیلی مآخذ دین کا تشریعی اعتبار جاتا رہے گا، بلکہ خود علم کے سلسلے میں جو ثنویت مسلم معاشرے میں در آئی ہے اور جس کے سبب ہمارا فکری قافلہ عرصہ سے مستِ خرامی کا شکار ہے، اسے ایک بار پھر متحرک کیا جاسکے گا۔ یوں سمجھئے کہ فقہ وروایات کے دفتر اور تفسیر وتعبیر کے دواوین ایک ثقافتی ورثہ اور علمی تسلسل کے طور پر تو ہمارے درمیان باقی رہیں گے، لیکن کسی کے لیے ممکن نہ ہوگا کہ وہ قرآن مجید کی موجودگی میں قدماء کے قول یا فقہاء ومفسرین کی تاویلات کو حجت کے طور پر پیش کرسکے۔ یہ سب کچھ ایک ایسی صورت حال کو جنم دے گا جہاں کسی انسانی تالیف کے لیے حجۃ اللہ البالغۃ کا سا اعتبار جاتا رہے گا اور یہ حق صرف اور صرف خدا کی کتاب کے لیے مخصوص ہوجائے گا۔

ذیلی مآخذ کے ساقط الاعتبار ہوجانے سے ان مآخذ کی بنیاد پر بننے والے فرقے تحلیل ہوتے ہوئے معلوم ہوں گے۔ نہ سنی صحاح ستہ کی بنیاد پر دین کا کوئی علیحدہ قالب تشکیل پائے گا اور نہ ہی شیعہ کتبِ اربعہ کے آگے سر تسلیم خم کرنے کی ضرورت محسوس ہوگی۔ ائمہ اربعہ کے دواوین ان کی جلالت علمی کے سبب قابل استفادہ ضرور سمجھے جائیں گے، البتہ ان کے ساتھ ہی شیعی، اسمٰعیلی، اباضی اور ان تمام گروہوں کی تعبیری کتابیں بھی ہماری توجہ کی یکساں مستحق ہوں گی جن کا ماضی ہم سے پیوستہ اور مشترک رہا ہے اور جو تاریخ کے کسی لمحے میں بوجوہ ہم سے جدا ہوگئے۔ گویا تاریخی، تہذیبی اور تعبیری ادب کی بنیاد پر فرقہ بندی کی روایت دم توڑ دے گی۔ حتیٰ کہ کسی کے لیے اس بات کا موقع بھی نہ ہوگا کہ وہ خود کو قرآن جیسی عظیم کتاب کے حوالے سے ہی سہی ایک الگ طائفہ بتائے اور اپنے لئے خدا کی عطا کردہ شناخت 'مسلمان' کو چھوڑ کر اہل قرآن جیسا لقب اختیار کرے۔ ہمارے خیال میں اگر قرآن کو واقعتاً مناقشہ کی کمان عطا کردی گئی تو فرقہ بندی کی گنجائش باقی نہیں رہ جائے گی۔ اور پھر فرقوں کے غیاب کے بعد علماء واحبار کے کارخانوں کی ضرورت بھی باقی نہ رہے گی۔ نہ کسی کو اس بات کی ضرورت محسوس ہوگی کہ وہ فقہ مقارن کی کتابوں میں اختلاف فقہاء کے نظائر تلاش کرے، نہ قدماء کی کتابوں پر شرح در شرح لکھنے کا عمل علم وتحقیق کی معراج سمجھا جائے گا اور نہ ہی ضمیر کے مرجع کے سلسلے میں صفحات سیاہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوگی۔ نہ فرسودہ کتب کلام ومنطق سے آلۂ فہم وتعبیر کے طور پر ہی سہی،

اشتغال کی ضرورت محسوس ہوگی، نہ ہی اس امر کی تلاش میں عمریں گزریں گی کہ کس راوی کی ثقاہت مشتبہ ہے اور کسے واقعتاً لائق اعتبار سمجھا جاسکتا ہے۔ گویا انسانوں کے لیے کرنے کو بہت کچھ ہوگا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ علم کی جس ثنویت کے ہم صدیوں سے اسیر چلے آتے ہیں اور جس کے نتیجہ میں علوم شرعیہ اور علوم جدیدہ کی تقسیم نے ہمارے اندر دو مختلف اور متحارب قسم کے دماغ کو جنم دیا ہے، اس داخلی کشمکش اور تشتت کا یکسر خاتمہ ہوجائے گا۔ وحی ربانی سے ہر شخص اپنی توفیق بھر راست اکتساب کرسکے گا۔ علماء واحبار اور مشائخ ومفتیان کے غیاب میں طلب حق کے جویا خود کو ایک ایسی صورت حال میں پائیں گے جسے قرآن **قل الله يفتيكم** سے تعبیر کرتا ہے جہاں خدا کے فتویٰ کے آگے تمام فقہی موشگافیاں اور انسانی فتوے اپنا اعتبار کھودیتے ہیں۔

یقین جانئے! دینِ خالص جب اپنی اصل شکل میں ہمارے سامنے آئے گا تو وہی غلغلہ انگیز جانفزا صورت حال پیدا ہوگی جس کا تجربہ پہلی نسل کے مسلمانوں کو ہوا تھا۔ دین تو نام ہے غیر مشروط سپردگی کا۔ اس کے برعکس رسوم عبودیت پر دین کا گمان کرنے والے ایک جامد قسم کی مذہبیت کو ہی جنم دے سکتے ہیں۔ عہد رسولؐ کے مکہ میں، جب خدا کا آخری پیغام نازل ہورہا تھا، رسوم دینداری کی کمی نہ تھی۔ مکہ مذہب پرستی کا گہوارہ تھا، جہاں صوم وصلوٰۃ کے مظاہر اور طواف وزیارت کے رسوم بڑے منضبط انداز سے جاری تھے، لیکن قرآن مجید نے مذہب کے اس کاروبار کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا:

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ......الخ

لوگو! کیا تم اس شخص کو نہیں جانتے جو دین کے پردے میں دین کی نفی کرتا ہے؟ اس کی پہچان یہ ہے کہ یہ یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ سو پھٹکار ہو ایسے نمازیوں پر جو اپنی نماز سے غافل ہیں، جو محض دکھاوا کرتے ہیں اور جو معمولی چیزیں دینے سے بھی منع کردیتے ہیں۔ (مفہوم سورۃ الماعون)

دین جب مذہب کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے اور جب دین کے غایت واہداف کے بجائے متبعین کی تمام تر توجہ رسوم کی جامد پاسداری پر مرکوز ہوجاتی ہے تو پھر معاشرے میں ایسے علماء کا ایک طبقہ بھی وجود میں آجاتا ہے جو ان رسوم کی باریک بیں تفصیلات کی ترتیب وتدوین پر ہمہ وقت مستعد رہتا ہے۔ یہی وہ چور دروازہ ہے جس سے مشائخیت خدا اور بندے کے بیچ میں آبیٹھتی ہے۔ پھر دین مشائخیت کے سیاسی واقتصادی مفادات کی حفاظت کا نام رہ جاتا ہے جیسا کہ قبل اسلام کے مکی معاشرے کا حال تھا اور جس پر قرآن کی یہ تیز وتند تنقید ہم نے از راہِ مثال پیش کی۔ بات یہیں ختم نہیں ہوجاتی، احبار کا عروج وحی ربانی کے راست اکتساب میں ہمارے لیے حجاب بن جاتا ہے۔ پھر مختلف انسانوں کے ذاتی فہم کو تقدیس واستناد عطا کرنے کے نتیجہ میں مختلف فرقے وجود میں آتے ہیں۔ آج امت مسلمہ صدیوں کے تاریخی انحراف کے بعد بدقسمتی سے ایک ایسے مقام پر آپہنچی ہے جہاں اس کی داخلی اصلاح کے بغیر نہ تو خود اس کا کوئی مستقبل ہوسکتا ہے اور نہ ہی اقوام عالم کے لیے وہ دوبارہ منارہ نور بن کر سامنے آسکتی ہے۔ تاریخ کے ایک ایسے موڑ پر جب سرمایہ داری کا سورج غروب ہوا چاہتا ہے اور جب ایک نظری اور فکری خلاء نے مستقبل کے سلسلے میں سخت مایوسی کی کیفیت پیدا کردی ہے، آخری وحی کے حاملین پر لازم ہے کہ وہ غیاب پیمبری میں اقوام عالم کی ہدایت کے لیے سامنے آئیں اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ خود ہم اس نظری تشتت اور داخلی خانہ جنگیوں سے ماوراء متحدہ پیمبرانہ اسلام کا واقعی شعور نہ رکھتے ہوں۔ جب تک ہمارا گھر درست نہ ہو ہم باہر والوں کی رشد وہدایت کا کام کیسے انجام دے سکتے ہیں؟ اب وقت آگیا ہے کہ قافلۂ انسانی کی ازسرِنو ترتیب اور اس کی سمت ورفتار کی درستگی کے لیے آخری وحی کے حاملین دوبارہ دنیا کے سامنے آئیں۔

اورنگزیب یوسفزئی

قرآن میں قربانی یا ذبح عظیم سے کیا مراد ہے؟

تمام تر من گھڑت روایتی تراجم کا بطلان

سوال:

سورۃ الصّافات، آیت 102 کے روایتی تراجم میں حضرت ابراہیم کا یہ کہنا کہ میں تمہیں ذبح کرنے والا ہوں، حضرت اسماعیل کو پیشانی کے بل لٹا دینا اور پھر اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا کہ تم نے خواب سچ کر دکھایا، اور ہم نے اسے ایک ذبح عظیم کے لیے بچا لیا، وغیرہ، وغیرہ سے کیا مراد ہے۔ کیا ان آیات کا کوئی دیگر عقلی و منطقی ترجمہ بھی کیا جا سکتا ہے تا کہ بات واضح ہو کر صاف ہو جائے کہ دراصل یہ کس کاروائی کی جانب اشارہ ہے؟؟؟

جواب:

یہاں لفظ ذبح کا ایک لفظی اور عامیانہ معنی لے لیا گیا ہے اور اس سے حضرت ابراہیم کا حضرت اسماعیل کو اللہ کے لیے قربان کر دینے کا حکم وصول کرنا، اور اس کی تعمیل میں حضرت اسماعیل کو لے جا کر اُلٹا لٹا کر ذبح کرنے کے ارادہ کی ایک بڑی کہانی بنا لی گئی ہے۔ نیز اسی مفروضہ کہانی کی پیروی میں حج کی رسم کے دوران یا عید الاضحیٰ کے موقع پر جانوروں کی قربانی کا من گھڑت مدعا پیدا کر لیا گیا ہے۔ یہاں تین نکات اہم ہیں:۔

1] یہاں کہیں حضرت اسماعیل کا نام تک نہیں ہے۔ نہ ہی کسی بیٹے کی پیدائش کی بشارت ہے۔ بلکہ ایک جوان تحمل رکھنے والے آدمی سے آپ کو ملا دیا گیا ہے [فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ] کہ آپ کے مشن میں شریک ہو جائے۔

2] جب کہ ذبح کسی مشن کے لیے کسی کو خود سے جدا کر کے وقف کر دینے کا استعارہ تو ہو سکتا ہے،،،، لیکن اللہ تعالیٰ کبھی انسانوں کو ذبح کرنے کا حکم نہیں دے سکتا۔

3] اور لفظی عامیانہ معنوں میں کسی کو ذبح کرنے کے لیے ماتھے کے بل کبھی نہیں لٹایا جاتا۔

بات کو پورا سمجھنے کے لیے ہمیں متعلقہ آیات کے سیاق و سباق کو بھی دیکھنا پڑے گا۔ اس کے بعد ہی ہم اللہ تعالیٰ کے کلام کی منشا و مقصود تک پہنچ سکیں گے۔ تو آیئے ذرا پیچھے جا کر آیت نمبر 97 سے ایک ایسا منضبط ترجمہ شروع کرتے ہیں جو قرآنی الفاظ کے ساتھ، خالص ادبی اور عقلی تناظر میں، سختی سے پیوستہ رہنے والا ہو، تا کہ اس من گھڑت کہانی کی حقیقت تک پہنچا جا سکے۔

آیات 37/97 سے 100

قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ ﴿٩٧﴾ فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ﴿٩٨﴾ وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿٩٩﴾ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٠٠﴾

ابراھیم کی قوم نے طے کیا کہ اس کے خلاف ایک مضبوط بنیاد پر کیس تیار کیا جائے [ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا] اور اسے سزا دے کر بربادی کی آگ میں ڈال دیا جائے [فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ] [۹۷]۔ انہوں نے اس کے ساتھ اپنی چال چلنے کا پکا ارادہ بنالیا تھا، لیکن پھر ہم نے انہیں اس میں ناکام کر کے ذلیل و حقیر کر دیا [۹۸]۔ پھر ابراھیم نے کہا کہ میں اپنے پالنہار کی طرف رجوع کرتا ہوں وہ ضرور مجھے کوئی لائحہ عمل عطا کرے گا [۹۹]۔ اس نے التجا کی کہ اے رب مجھے نیکوکاروں میں سے کوئی انسان عطا کر دے [۱۰۰]۔

آیات 37/101 سے 102

فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ﴿١٠٢﴾

تب ہم نے اسے ایک تحمل رکھنے والے جوان [غُلَامٍ] سے ملا دیا [فَبَشَّرْنَاهُ] [۱۰۱]۔ پھر جب وہ جوان اس کے ساتھ عملی جدوجہد کرنے کے مرحلے تک پہنچ گیا تو اس نے کہا کہ اے میرے بیٹے میں اپنے تصور میں یہ دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ایک مقصد کے لیے وقف کر کے خود سے علیحدہ کر رہا ہوں [أَذْبَحُكَ]۔ پس تو سوچ کر جواب دے کہ تیرا اس بارے میں کیا خیال ہے۔ اس نے کہا اے میرے بزرگ میں وہی کروں گا جس کا آپ حکم دیں گے۔ اگر اللہ کی مشیت ہوئی ہوئی تو آپ مجھے استقامت کا حامل [مِنَ الصَّابِرِينَ] پائیں گے [۱۰۲]۔

آیات 37/103 سے 105

فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ﴿١٠٣﴾ وَنَادَيْنَاهُ أَن يَا إِبْرَاهِيمُ ﴿١٠٤﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۚ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿١٠٥﴾

پس جب ان دونوں نے اس امر کو تسلیم کر لیا تو اس جوان کو [ابراھیم کی قوم کے] پست حوصلہ لوگوں [جَبِينِ] کی فلاح کے مشن لیے متحرک کر دیا گیا [تَلَّهُ] [۱۰۳]۔ پھر ہم نے اسے مخاطب کیا اور کہا اے ابراھیم تو نے اپنے تصور/سوچ/بصیرت کو سچ کر دکھایا [۱۰۴]۔ ہم اسی طرح توازن بدوش اعمال کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں [۱۰۵]۔

آیات 37/106 سے 108

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ﴿١٠٦﴾ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ﴿١٠٧﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ [١٠٨] سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿١٠٩﴾

بیشک یہ ایک بڑی جدوجہد اور آزمائش کا موقع تھا [الْبَلَاءُ الْمُبِينُ] [۱۰۶] جس سے ہم نے ابراھیم کو ایک بڑی قربانی کے ذریعے آزاد کروالیا [فَدَيْنَاهُ] [۱۰۷]۔ اور آنے والی نسلوں پر ہم نے یہ لازمی ٹھہرا دیا کہ ابراھیم پر سلامتی بھیجتے رہیں۔

خواجہ ازہر عباس فاضل درس نظامی

انسانی زندگی کی کہانی کچھ قرآن کریم کچھ روایات کی زبانی

زندگی آج جس مقام پر پہنچ چکی ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔ ہم سب اس زندگی کے مختلف پیکر ہیں اور اس کی نمود کی مختلف شکلیں۔ زندگی اس مقام پر ہزار ہا سال گزرنے کے بعد اور بے شمار پیکر تبدیل کرنے کے بعد آئی ہے۔ زندگی کس طرح از خود وجود میں آ گئی اس کے متعلق نہ تو سائنس ہی کوئی نشاندہی کرتی ہے اور نہ قرآن کریم نے اس پر روشنی ڈالی ہے کہ زندگی وجود میں کیسے آئی؟ البتہ قرآن کریم نے زندگی جن جن مراحل سے گزری ہے یعنی بالکل ابتدائی مراحل سے لے کر آج تک تمام مراحل کی نشاندہی کر دی ہے وہ ابتداء ہی یہاں سے کرتا ہے کہ زندگی کی نمود کیسے ہوئی، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی کو اس مادی پیکر اوّلیں جرثومہ حیات میں آنے سے پیشتر پیدا کر رکھا ہو۔ چونکہ اس وقت وہ ہمارے احساسات کی گرفت میں نہیں آئی تھی اس لئے اس جل جلالہ نے ہماری اس حالت کو موت سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے بعد جب پھر اس کی نمود ہو جائے گی تو اسے حیات بعد الممات سے تعبیر کیا جائے گا۔

عالم موجودات کی سب ذی حیات مخلوق نباتات خوردبینی حیوانیات سمیت ایک سلسلہ تکوین کی مختلف کڑیاں ہیں جن کو ان کے اعضاء واشکال کی ترتیب کے مطابق ایک تدریجی سلسلہ میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ یہ سب تکوین زندگی کے اوّلین مراحل سے ایک مقررہ ترتیب وتدریج سے ہوئی ہے۔ اس کی انتہائی شکل انسان کی صورت میں ہمارے سامنے آج موجود ہے۔ زندگی طولاً وعرضاً ناقابل تقسیم ہے۔ اس نے ہزاروں سال میں بحیثیت ایک اکائی کے ترقی کی ہے۔ اور موجودہ حالت پر پہنچی ہے۔ اب انسان کی کلی کے جس قدر افراد ہوں گے ان میں انسانیت کا مشترک ہونا لازمی ہوگا۔ اس کلی کا کوئی فرد اس کی بنیادی خصوصیات سے محروم نہیں ہو سکتا یہ نہیں ہوسکتا کہ اس کلی کا کوئی فرد نطق یا ارادہ سے محروم ہو۔ اسی طرح اس سے فروتر حالت میں یعنی حیوانیات میں ان کی زندگی کا خاصہ ہوگا کہ وہ حرکت کریں اور نشوونما کی صلاحیت ان میں موجود ہو۔

حیوانیات کی صورت میں زندگی نے صرف اسی حد تک ترقی کی ہے۔ لیکن اس حد تک ترقی کردہ کلی کے تمام افراد میں زندگی کی خصوصیات مشترک ہوں گی۔ اس کلی کا کوئی فرد اس خصوصیت سے محروم نہیں ہوگا۔ ہر حیوان حرکت کرے گا۔ اور نشوونما حاصل کرے گا۔ مختصر یہ ہے کہ حیات یا زندگی مجموعہ طور پر ترقی کرتی ہے۔ اس کے تمام افراد مل کر ترقی کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں مسلمانوں نے اس مسئلہ پر مغربی مفکرین سے پہلے غور وفکر شروع کیا تھا۔ اس سلسلہ میں فارابی متوفی 950 ابن سینا، ابن ماجہ، ابن مسکویہ، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مغربی مفکرین میں ہکسلے اور ڈاران زیادہ نمایاں ہیں۔ ڈاران نے اپنی مشہور زمانہ کتاب [The Origin of Specie] 1859ء میں طبع کرائی اور اس مسئلہ کو پایا ثبوت تک پہنچا دیا لیکن اس عظیم الشان نظریہ کی ارتقائی شق کے دعویٰ کو جن علماء نے مستقل صورت دی وہ مسلمان مفکرین ہی تھے۔ مولانا روم نے بھی اپنی مثنوی شریف میں اس مسئلہ کو بیان کیا ہے۔ اس کے بعد جب مسلمانوں میں فکری جمود آ گیا اور مفکرین کے بجائے صرف علماء ہی پیدا ہونے لگے تو اس قسم کے مسائل پر مزید تحقیق وتفتیش نہیں ہو سکی۔ وجہ یہ ہے کہ عالم اور مفکر میں بڑا فرق ہے۔ اس فرق کو نمایاں کرنے میں انگریزی الفاظ زیادہ واضح ہیں

جن کے لئے اسکالر اور تھنکر کا استعمال زیادہ مفید مطالب ہوگا۔ اسکالر کا کام یہ ہے کہ اس نے بے شمار کتب کا مطالعہ کیا ہوتا ہے اور ہر مسئلہ اس کے پیش نظر ہوتا ہے۔ وہ فوراً نشان دہی کر دے گا کہ اس مسئلہ کے متعلق امام ابوحنیفہ سے لے کر شاہ عبدالعزیز صاحب نے فلاں فلاں کتاب کے متن اور فلاں صاحب نے اس کتاب کے حاشیہ میں یوں لکھا ہے۔ اسے مہیات تک پر پورا عبور حاصل ہوتا ہے۔ اس کی حیثیت ایک Cataloguer اور بقول شاہ ولہ اللہ صاحب کے ایک وراق کی سی ہوتی ہے اس کی نگاہ بڑی وسیع ہوتی ہے۔ لیکن تھنکر کا کام یہ ہوتا ہے کہ اگر اس کا مطالعہ مقابلتہً کم ہی کیوں نہ ہو وہ اپنی منفرد تھیوری پیش کرتا ہے۔ اور نئے نئے تصورات پیش کرتا ہے۔ ہمارے برصغیر میں علامہ شبلی، مولوی نذیر احمد، حمید الدین فراہی، علامہ سلیمان ندوی مولانا غلام علی بلگرام، مولانا قاضی ثناء پانی پتہ، مولانا ابوکلام آزاد مرحوم اور سب قابل قدر حضرات کا شمار علماء کرام میں ہوتا ہے۔ اسی وجہ ہے ان میں سے چند حضرات شمس العلماء کے خطاب سے نوازے گئے۔

ان سب حضرات کا شمار علماء میں ہوسکتا ہے اس کے برخلاف اس دور کے مفکرین میں سر سید احمد خاں، مولوی چراغ علی، شمس العماء، علامہ محب الحق بہاری، علامہ اقبال، علامہ اسلم جیراجپوری مولوی محمد عبداللہ خطیب مسجد اہل قرآن لاہور، خواجہ احمد الدین امرتسری اور سب سے اہم اور بیدار مغز علامہ غلام احمد پرویز کا شمار ہوتا ہے۔ ان حضرت نے قرآن فہمی کا طریقہ ہی بالکل بدل دیا اور قرآن کریم کی وہ اقدار و نظریات پیش کئے جو ان حضرات سے پیشتر تیرہ سو سال طویل عرصے میں تحریر میں نہیں آئے۔ اس مضمون کا یہ موضوع نہیں ہے۔ ورنہ ان حضرات کی منفرد نظریات کی فہرست نہ آسانی پیش کی جاسکتی ہے۔ جن سے ان کے مفکر تھنکر ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ ہم مسلمانوں میں ابن خلدون کے بعد سے صرف علماء ہی پیدا ہوتے چلے آرہے ہیں۔ تھنکر خال خال ہی صدیوں بعد نظر آتا ہے۔ اسی وجہ سے فکری جمود ہے۔

قرآن کریم نے انسانی زندگی کے ارتقاء سے بھی بحث کی ہے۔ اس مضمون کا موضوع صرف انسانی زندگی کے سفر کی کہانی بیان کرنا ہے۔ انسانی زندگی جسے انگریزی میں The Life سمجھنا چاہئے اس انگریزی لفظ سے زندگی کا مفہوم زیادہ واضح ہوجاتا ہے۔ کائنات کی پیدائش اور اس کے ارتقاء سے اس مضمون کا کوئی تعلق نہیں سے اس موضوع کے لئے الگ مضمون درکار ہوگا انسانی زندگی کی پیدائش کے سلسلہ میں روایات پر مبنی جو غیر علمی و مضحکہ خیز تصورات ہم مسلمانوں میں چلے آرہے ہیں اور جو قرآن کریم کے علمی نظریات کے بالکل خلاف ہیں اولاً کا بیان اور قرآن کریم کی روشنی میں ان کی تردید پیش کی جائے گی۔ پھر قرآن کریم کا محاکمہ اور اس کا اپنا قابل قدر نظریہ پیش کیا جائے۔

انسانی پیدائش کے سلسلہ میں ہمارے ہاں یہ مسلمہ عقیدہ چلا آرہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کا بت بنایا اس میں اپنی روح پھونکی اور ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں انہوں نے اس پر اعتراض کیا کہ آدم زمین میں خون ریزی اور فساد پیدا کرے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے اس نظریہ اور عقیدہ کے مطابق آدمؑ کو ایک Finished product کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ پھر اس کی نسل کو اس سے ہی نکالا جاتا ہے۔ اسی طرح اس کی بیوی کو اس کی پسلی سے نکالنا پڑا جو اس کے پیٹ سے پیدا ہونے کی وجہ سے اس کی بیٹی ہوسکتی ہے۔ اس طرح باپ بیٹی کو میاں بیوی بنانا پڑا۔ حالانکہ خود اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق باپ بیٹی کا نکاح حرام ہے اس نظریہ پر متعدد اعتراض وارہوتے ہیں۔ اس

مضمون میں آگے چل کر زندگی کی ابتداء نشوونما کی صحیح صورت قرآن کریم کی آیات کے مطابق پیش کی جائے گی۔ جس کی روشنی میں اس تصور پر عائد شدہ تمام اعتراضات ازخود رفع ہو جاتے ہیں۔

انسانی زندگی برقی توانائی کی نظیر ہے، جو عالم گیر ہے اور ساری کائنات میں برق تپاں کی طرح جاری ہے۔ اس لئے زندگی [The Life] ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے۔ اور اس کے افراد وحدت کے مختلف پیکر ہیں۔ اس کے بلب جو کروڑوں کی تعداد میں ہیں یہ سب اس کے مختلف مظاہر ہیں۔ جب حیات Divine Energy شعور سے متمسک ہو جاتی ہے۔ تو یہ انسانی انا یا یہ پیکر یا یہ مظہر وجود میں آجاتا ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں نفس انسانی حیات اور شعور کے تمسک متشخص ہوتا ہے۔ ہمارے پرانے صوفیائے کرام جو وحدت الوجود کے قائل تھے۔ ان میں سے کچھ نے اس کی مثال تلی (ڈوری) سے دی ہے۔ آپ ایک لمبی تلی (ڈوری) لے کر اس پر چند گرہیں ڈالتے جائیں جس قدر گرہیں آپ ڈالتے جائیں گے۔ اس قدر گرہیں آپ ڈالتے جائیں گے اس قدر پیکر نمودار ہوتے چلے جائیں جس قدر گرہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ گزشتہ صوفیائے کرام اس گرہ کا وجود نہیں مانتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر اس گرہ کو کھول دیا تو وجود صرف تلی یعنی وحدت الوجود کا رہ جائے گا۔ لیکن تحریک طلوع اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ گرہ پڑ گئی تو یہ گرہ پھر کھل نہیں سکتی جو پیکر یا وجود ایک مرتبہ بن گیا وہ معدوم نہیں ہو سکتا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بن گیا۔ اس لئے وہ گرہ یا ہمارا وجود اس سلسلہ میں قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ انسانی زندگی کی ابتداء کے لئے ارشاد ہوتا ہے وَهُوَ الَّذِیٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (6/98) اور اس نے تم نکالا ایک جان سے نفس واحدہ کی قرآنی تفسیر کے لئے سورۃ مومنون میں ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ (23/12) یعنی نفس واحدہ اور سلالۃ من طین ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اور یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے بدل اور مبدل کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ اسی طرح ابتدائی پیدائش کے لئے اور بھی چند الفاظ آئے ہیں۔ مثلاً سورۃ صفت میں ارشاد ہوتا ہے اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ (37/11) بے شک ہم نے انسانوں کو چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا سورۃ الحجر میں وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (15/26) انسان کو سڑی مٹی کے بدبودار گارے سے پیدا کیا۔ سورۃ رحمان میں فرمایا خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (55/14) انسان کو آگ میں پکی سڑی ہوئی مٹی سے پیدا کیا صَلْصَالٍ کے معنی مٹی و كَالْفَخَّارِ کے معنی آگ میں پکی ہوئی سڑی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ یہ تعریف ہے اس مٹی کی جس سے آدمؑ کو پیدا کیا۔ یہ زمین پہلے آگ کا گولا تھی اس لئے اس کی مٹی میں پک کر موجدہ صورت میں آئی تھی۔ اور پانی میں ملی ہوئی مٹی کو طین کہتے ہیں اور لازب کے معنی ہیں لیس دار۔ اس سے آگے حما کنوں کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ حما کنوں کے تہ سے نکالے ہوئے بدبودار کیچڑ کو کہتے ہیں اور مسنون کے معنی ہیں سڑا ہوا اس لئے پورے کرہ ارض پر جہاں جہاں مٹی صلصال کالفخار طین لازب بن کر حما مسنون کی صورت میں بدبودار ہو کر سڑ گئی وہاں ہر جگہ سلالۃ من طین انسانی جرثومہ حیات سڑے ہوئے گارے سے پیدا ہو گئے اور کرہ ارض کے مختلف مقامات پر وجود میں آگئے۔

اصل بات یہ ہے کہ ہمارے مفسرین سے زندگی کی ابتداء اور اس کے نمود کے سلسلہ میں جو تسامح ہوا۔ وہ نفس واحدہ کا غلط مفہوم سمجھنے سے ہوا۔ مزید غلطی ان سے یہ ہوئی کہ اسرائیلیات کے زیر اثر مفسرین نے نوع انسانی کی پیدائش ایک بت سے شروع کر دی۔ حالانکہ قرآن کریم میں متعدد بار ارشاد ہوا ہے کہ ہم نے انسان کو زمین سے پیدا کیا ہے۔ ہمارے گزشتہ مفسرین کا دور اس

درجہ تحقیق و تفتیش کا نہیں تھا۔ اور یہ مسئلہ بھی قدرے نظری نوعیت کا تھا۔ اس لئے ان سے لغزش کا ہونا کوئی بعید نہ تھا۔ لیکن موجودہ دور کے علماء کرام کو ضرور اس مسئلہ پر نظر ثانی کرنی چاہئے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ان علماء عظام کے سامنے یہ مواد اس درخواست کے ساتھ پیش کرنا چاہئے۔ کہ وہ اس پر غیر جانبدار ہو کر غور فرمائیں کیونکہ یہ مسئلہ ایسا اہم ہے کہ اس کے درست ہونے سے قرآن کے وحی الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ نزول قرآن کے وقت عقل انسانی اس معیار پر نہیں پہنچی تھی کہ اس قسم کے مسائل پر بحث و تمحیص کرے۔ قرآن کریم کا اس مسئلہ کو پیش کرنا اور اس پر بھرپور روشنی ڈالنا اور آج سائنسی اور علمی دنیا کا قرآن کریم کے بیانات کی تصدیق کر دینا۔ اس کی وحی الٰہی ہونے کا واضح اور بین ثبوت ہے۔

اس سلسلہ میں قرآن کریم کا درست تصور پیش کرنے کے لئے دو امور کی وضاحت ضروری ہے پہلی بات تو یہ ثابت کرنا کہ زندگی کی ابتداء آدم کے بت سے نہیں ہوئی بلکہ زندگی کی ابتداء اور نمود زمین سے ہوئی ہے اور مختلف مقامات پر زندگی کی ابتداء ہوتی ہے صرف ایک بت سے نہیں ہوئی دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کریم نے نفس واحدہ کا جو لفظ استعمال کیا ہے اس سے مراد آدم کا بت نہیں ہے بلکہ انسانی نطفہ ہے۔ جس سے۔ پہلا غلط قدم نوع انسانی کی پیدائش ایک بت سے ہوئی ہے اس کی تردید میں بہ تکرار قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

(۱) هُوَ اَنشَاَكُم مِّنَ الۡاَرۡضِ وَ اسۡتَعۡمَرَكُمۡ فِيۡهَا (11:61)

اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اسی میں تمہیں آباد کیا۔

(۲) مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَ فِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَ مِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى (20:55)

ہم نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور ہم تمہیں اسی زمین میں واپس لوٹا دیتے ہیں۔ اور اسی سے دوبارہ نکالیں گے۔

(۳) هُوَ اَعۡلَمُ بِكُمۡ اِذۡ اَنۡشَاَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَاِذۡ اَنۡتُمۡ اَجِنَّةٌ فِىۡ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ (53:32)

اور اللہ خوب جانتا ہے جب تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کی پیٹ میں جنین کی صورت میں تھے

(۴) وَاللّٰهُ اَنۡۢبَتَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ نَبَاتًا (17) ثُمَّ يُعِيۡدُكُمۡ فِيۡهَا وَيُخۡرِجُكُمۡ اِخۡرَاجًا (18 :71)

اور اللہ نے تمہیں زمین سے اگایا اور ٹھیک ٹھیک اگایا پھر تمہیں اسی زمین میں لوٹا دیتا ہے۔ پھر وہ تمہیں دوبارہ زمین سے نکالے گا ٹھیک ٹھیک نکالنا۔

یہ چاروں آیات کریمہ اس بات پر حجت قاطعہ ہیں کہ انسان کی پیدائش زمین سے ہوئی۔ مختلف مقامات پر ہوئی جس جگہ بھی مٹی حمامسنون کی شکل میں بدبودار ہو کر سڑ گئی وہاں ہر جگہ سلالۃ من طین انسانی جرثومہ حیات Ameeba سڑے ہوئے گارے سے پیدا ہو گئے اور کرہ ارض کے مختلف مقامات پر زندگی نمودار ہوگئی۔ واحدہ سے مراد حضرت آدم یا ان کا بت یا پتلا نہیں ہے۔ بلکہ پوری نوع آدم کا جرثومہ حیات مراد ہے۔---------[جاری ہے]

ہر ناکامی کے بعد ایک نئی کامیابی کا امکان آدمی کے لئے موجود رہتا ہے، بشرطیکہ وہ نہ جھوٹی اکڑ دکھائے اور نہ بے فائدہ ماتم میں اپنا وقت ضائع کرے۔ بلکہ حالات کے مطابق از سر نو اپنی جدوجہد شروع کر دے۔

علامہ غلام احمد پرویز

وحی خداوندی

سابقہ باب [اقساط] میں ہم نے علمِ انسانی کے جس گوشے سے متعلق گفتگو کی ہے اس کا تعلق خارجی کائنات کی طبیعی زندگی اور اس کے مختلف گوشوں سے تھا، اس لئے اس کے حصول کے ذرائع اور طریق بھی طبیعی تھے۔ اگر انسانی زندگی صرف طبیعی زندگی ہوتی تو اُسے کسی اور علم کی ضرورت نہیں تھی لیکن قرآن کریم کی رُو سے انسانی زندگی [حیوانات کی طرح] صرف طبیعی زندگی نہیں، یعنی انسان صرف اس کے جسم کا نام نہیں، جسم کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے جسے انسانی ذات [Self or Personality] یا قرآن کی اصطلاح میں ''نفس'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انسانی نفس نہ جسم کی طرح طبیعی نظامِ تخلیق کا پیدا کردہ ہے اور نہ ہی طبیعی قوانین کے تابع، انسانی جسم، طبیعی قوانین [Physical Laws] کے ماتحت زندہ رہتا اور انہی کے مطابق ایک دن موت کے ہاتھوں ختم ہو جاتا ہے، لیکن انسانی نفس جسم کی موت سے مر نہیں جاتا، یہ اس کے بعد بھی زندہ رہتا اور مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے لئے آگے بڑھتا ہے، اسے اُخروی زندگی یا حیات بعد الممات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انسانی جسم کی طرح نفسِ انسانی کی بھی نشوونما کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اس کی نشوونما طبیعی ذرائع سے نہیں ہوتی بلکہ اقدار [Values] کے اتباع سے ہوتی ہے۔ اقدار کا مفہوم تو تفصیل طلب ہے لیکن ان کی اہمیت اور مقصود ایک مثال سے واضح ہو جائے گا۔ ایک بھوکا بیل باہر نکلتا ہے تو جو کھیت سب سے پہلے اس کے سامنے آئے، خواہ وہ اس کے مالک کا ہو یا کسی اور کا، وہ اس میں گھاس چرنے لگ جاتا ہے اور یہ گھاس اس کے جسم کی پرورش کرتی ہے بلالحاظ اس کے کہ وہ اس کے مالک کے کھیت کی گھاس ہے یا دوسرے کے کھیت کی، یہی صورت انسانی جسم کی پرورش اور نشوونما کی ہے۔ انسانی جسم کی پرورش پر، چوری کے گھی اور خرید کردہ گھی کا اثر، ایک جیسا ہوتا ہے، لیکن نفسِ انسانی کی پرورش کے لئے ان دونوں میں فرق کرنا ضروری ہوگا۔ اگر انسان اپنے کھیت سے غلّہ لے کر کھائے گا تو اُسے رزقِ حلال کہا جائے گا اور اگر غیر کے کھیت سے چرا کر کھائے گا تو اُسے رزقِ حرام کہا جائے گا، رزقِ حلال سے انسانی نفس کی نشوونما یا تعمیر ہوگی اور رزقِ حرام سے اس کی تخریب، حرام اور حلال، جائز اور ناجائز، حق اور باطل کا امتیاز اقدار کی رُو سے ہوتا ہے۔ ان اقدار کا متعین کرنا تو ایک طرف، دریافت کرنا بھی علم الادراک کے بس کی بات نہیں، اس میں شبہ نہیں کہ جائز اور ناجائز میں فرق، انسانی معاشرہ میں رائج [یعنی حکومت کی طرف سے نافذ کردہ] قوانین کی رُو سے بھی کیا جاتا ہے، لیکن ان قوانین کا تعلق انسان کی ذات سے نہیں ہوتا، سوسائٹی کے نظم وضبط سے ہوتا ہے۔ یہ بحث تفصیل طلب ہے اور اس تفصیل کا یہ مقام نہیں۔ اس مقام پر صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ اقدارِ خداوندی کی رُو سے قائم کردہ تمدنی نظام میں، سوسائٹی کا نظم ونسق بھی بطریق احسن قائم رہتا ہے اور افراد کی ذات کی نشوونما بھی ہوتی جاتی ہے، ان اقدار کا علم، حواس وادراک کے ذریعے حاصل نہیں ہوسکتا، اس کا ذریعہ ایک اور ہے جسے قرآن کریم کی اصطلاح میں وحی خداندی کہا جاتا ہے۔

درجہ تحقیق وتفتیش کا نہیں تھا۔ اور یہ مسئلہ بھی قدرے نظری نوعیت کا تھا۔ اس لئے ان سے لغزش کا ہونا کوئی بعید نہ تھا۔ لیکن موجودہ دور کے علماء کرام کو ضرور اس مسئلہ پر نظر ثانی کرنی چاہئے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ان علماء عظام کے سامنے یہ مواد اس درخواست کے ساتھ پیش کرنا چاہئے۔ کہ وہ اس پر غیر جانبدار ہو کر غور فرمائیں کیونکہ یہ مسئلہ ایسا اہم ہے کہ اس کے درست ہونے سے قرآن کے وحی الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ نزول قرآن کے وقت عقل انسانی اس معیار پر نہیں پہنچی تھی کہ اس قسم کے مسائل پر بحث وتمحیص کرے۔ قرآن کریم کا اس مسئلہ کو پیش کرنا اور اس پر بھرپور روشنی ڈالنا اور آج سائنسی اور علمی دنیا کا قرآن کریم کے بیانات کی تصدیق کر دینا۔ اس کی وحی الٰہی ہونے کا واضح اور بین ثبوت ہے۔

اس سلسلہ میں قرآن کریم کا درست تصور پیش کرنے کے لئے دو امور کی وضاحت ضروری ہے پہلی بات تو یہ ثابت کرنا کہ زندگی کی ابتداء آدم کے بت سے نہیں ہوئی بلکہ زندگی کی ابتداء اور نمود زمین سے ہوئی ہے اور مختلف مقامات پر زندگی کی ابتداء ہوتی ہے صرف ایک بت سے نہیں ہوئی دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کریم نے نفس واحدہ کا جو لفظ استعمال کیا ہے اس سے مراد آدم کا بت نہیں ہے بلکہ انسانی نطفہ ہے۔ جس سے۔ پہلا غلط قدم نوع انسانی کی پیدائش ایک بت سے ہوئی ہے اس کی تردید میں بہ تکرار قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

(۱) هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا (11:61)

اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اسی میں تمہیں آباد کیا۔

(۲) مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى (20:55)

ہم نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور ہم تمہیں اسی زمیں میں واپس لوٹا دیتے ہیں۔ اور اسی سے دوبارہ نکالیں گے۔

(۳) هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ (53:32)

اور اللہ خوب جانتا ہے جب تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کی پیٹ میں جنین کی صورت میں تھے

(۴) وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا (17) ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا (71: 18)

اور اللہ نے تمہیں زمین سے اگایا اور ٹھیک ٹھیک اگایا پھر تمہیں اسی زمین میں لوٹا دیتا ہے۔ پھر وہ تمہیں دوبارہ زمین سے نکالے گا ٹھیک ٹھیک نکالنا۔

یہ چاروں آیات کریمہ اس بات پر حجت قاطعہ ہیں کہ انسان کی پیدائش زمین سے ہوئی۔ مختلف مقامات پر ہوئی جس جگہ بھی مٹی حمامسنون کی شکل میں بدبودار ہو کر سڑ گئی وہاں ہر جگہ سلالۃ من طین انسانی جرثومہ حیات Ameeba سڑے ہوئے گارے سے پیدا ہو گئے اور کرہ ارض کے مختلف مقامات پر زندگی نمودار ہوگئی۔ واحدہ سے مراد حضرت آدم یا ان کا بت یا پتلا نہیں ہے۔ بلکہ پوری نوع آدم کا جرثومہ حیات مراد ہے۔ ------ [جاری ہے]

ہر ناکامی کے بعد ایک نئی کامیابی کا امکان آدمی کے لئے موجود رہتا ہے، بشرطیکہ وہ نہ جھوٹی اکڑ دکھائے اور نہ بے فائدہ ماتم میں اپنا وقت ضائع کرے۔ بلکہ حالات کے مطابق از سر نو اپنی جدوجہد شروع کردے۔

وحی خداوندی]

یہ علم خدا کی طرف سے براہِ راست کسی فرد کو ملتا تھا جو اسے پھر دوسروں تک پہنچاتا تھا۔ یہ علم نہ انسانی حواس کی رُو سے حاصل کردہ ہوتا تھا نہ انسانی فکر کی تخلیق۔ حتیٰ کہ اس میں انسانی جذبات تک کا بھی کوئی دخل نہیں ہوتا تھا، اسی لئے اسے منزل من اللہ کہا جاتا ہے، یعنی وہ علم جو خالصتاً خارج [Objectively] سے ملے، چونکہ اس میں انسان کے کسب و ہنر اور محنت و کاوش کا کوئی دخل نہیں ہوتا تھا اس لئے اُسے اکتسابی علم کے بجائے وہبی علم کہا جاتا ہے، اور جن برگزیدہ ہستیوں کو یہ علم عطا ہوتا تھا انہیں نبی یا رسول کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ یعنی نبی، خدا کی طرف سے علم ملنے کی جہت سے اور رسول، اس علم کو دوسروں تک پہنچانے کی رُو سے، یہ وہ علم ہے جس کے سلسلے میں حضورؐ نبی اکرم کے متعلق کہا **وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى** [53-3] یہ رسول جو کچھ تم سے کہتا ہے اس میں اس کی اپنی فکر، خیالات یا جذبات کا کوئی دخل نہیں ہوتا **اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى** [53-4] یہ علم اُسے وحی کی رُو سے ملتا ہے **عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى** [53-5] اور یہ اُس خدا کا عطا کردہ ہے جو بڑی قوتوں کا مالک ہے۔

جو علم اکتسابی طور پر حاصل کیا جائے اس کے متعلق صاحب علم لحہ بہ لحہ محسوس کرتا اور جانتا ہے کہ وہ کون سا علم حاصل کر رہا ہے، وہ اسے کس قدر حاصل ہو چکا ہے۔ اور ابھی کتنا علم باقی ہے۔ لیکن وحی کے سلسلہ میں رسول اکرمؐ کے متعلق فرمایا **مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ** [42-52] اے رسول! تو اس سے پہلے جانتا تک نہیں تھا کہ کتاب کسے کہتے ہیں اور ایمان کیا ہوتا ہے O دوسری جگہ ہے **وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ** [28-86] اے رسول! تو اس کی توقع ہی نہیں رکھتا تھا، تمہارے سان گمان میں بھی نہیں تھا کہ تمہیں ''**الکتاب**'' عطا ہوگی، یہ تیرے ربّ کی طرف سے رحمت ہوئی ہے O سان گمان ہوتا بھی کیسے؟ حضورؐ تو اس سے پہلے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، چنانچہ سورہ العنکبوت میں **وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ** [29-48] اے رسول! تو وحی ملنے سے پہلے نہ پڑھنا جانتا تھا نہ لکھنا، اگر ایسا ہوتا تو ان منکرین کے لئے یہ کہنے کی گنجائش ہو سکتی تھی کہ اس شخص نے اس کتاب کو خود تصنیف کر لیا ہے۔

ضمناً اس آیت میں **مِنْ قَبْلِهٖ** کے الفاظ بڑے غور طلب ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ نبوت سے پہلے تو حضورؐ کی یہ کیفیت تھی کہ آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، نبوت ملنے کے بعد یہ حالت نہیں رہی تھی۔

آیات بالا سے واضح ہو گیا کہ علمِ وحی کے سلسلے میں نہ نبی کے کسب و ہنر کو کوئی دخل ہوتا تھا، نہ اس کے فکر و خیال کا کوئی درک، یہ خالصتاً خدا کی طرف سے عطا شدہ علم ہوتا تھا، اسی کی وضاحت کے لئے فرمایا **وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِىْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا** [17-86] جو کچھ ہم نے تجھے بذریعہ وحی عطا کیا ہے اگر ہم اسے سلب کر لیں تو کوئی قوت ایسی نہیں جو اس کے خلاف ہم پر کوئی دعویٰ کر سکے یا ہم سے باز پُرس کر سکے''۔ [یہ الگ بات ہے کی مشیتِ خداوندی کا فیصلہ یہ تھا کہ اس وحی میں سے کچھ بھی سلب نہ کیا جائے بلکہ اسے محفوظ رکھا جائے [6-116]، [15-9]، [87/6,7]۔

سورۃ یونس میں ہے کہ حضورؐ کے مخالفین آپؐ سے کہتے کہ ہم اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے، اگر تو اس کی جگہ کوئی دوسرا

قرآن لے آئے،، یا اس میں ہمارے حسبِ منشا تبدیلی کر دے، تو اس صورت میں آپ سے مفاہمت کر سکتے ہیں، اس کے جواب میں خدا کی طرف سے کہا گیا قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ[10-15] اگر یہ قرآن میرا تصنیف کردہ ہوتا تو اس کی گنجائش ہوتی کہ میں اس میں کچھ ردّ و بدل کر دوں، لیکن یہ تو میری تصنیف ہی نہیں، اس لئے میں اس میں اپنی طرف سے رَدّ و بدل کیسے کر سکتا ہوں؟ میری پوزیشن اتنی ہی ہے کہ یہ کتاب مجھے وحی کے ذریعے ملتی ہے اور میں پھر اس کا اتباع کرتا ہوں''

یہ ہے کیفیت علمِ وحی کی، اس سے ظاہر ہے کہ یہ علم الادراک سے یکسر الگ علم ہے اور کوئی انسان اسے اپنے کسب و ہنر سے حاصل نہیں کر سکتا، نبی کو یہ علم کیسے عطا ہوتا تھا،، اس کے متعلق کوئی غیر از نبی جان ہی نہیں سکتا۔

اِلقاءِ وحی]

خود قرآن نے بھی اس کے متعلق اتنا ہی بتایا ہے کہ اسے خدا کی طرف سے قلبِ نبویؐ پر القاء یا نازل کیا جاتا تھا۔ سورۃ شعرا میں ہے: وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ () نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ () عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (26/192,193,194) یہ قرآن رَبّ العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ روح الامین نے اسے تیرے قلب پر نازل کیا تاکہ لوگوں کو ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کر دے۔''

ان آیات کے بعد فرمایا: بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ (26-195)''خدا نے اس کتاب کو عربی مبین کی زبان میں نازل فرمایا۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ وحی کی روح سے صرف خیالات ہی قلب نبوی پر القاء نہیں کئے جاتے تھے۔ خدا کی طرف سے قرآن کے الفاظ کی بھی وحی ہوئی تھی اس لئے اسے دیگر مقامات میں ''کلام اللہ'' کہہ کر پکارا گیا ہے۔

سورۃ البقرہ میں جبریل کا نام لے کر کہا گیا ہے: فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ[2-97] اے رسول! اس قرآن کو جبریل باذن اللہ تیرے قلب پر نازل کرتا ہے۔'' سورۃ النحل میں ہے: قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ [16-102]''اے رسول! تو اعلان کر دے کہ اس قرآن کو روح القدس تیرے خدا کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔''

ان آیات میں نزولِ وحی کے ایک واسطہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے جسے جبریل یا روح الامین یا روح القدس کہہ کر پکارا کیا ہے۔ جس طرح ہم ہی نہیں کہہ سکتے کہ اور کوئی غیر از نبی نہیں کہہ سکتا کہ وحی کنہ اور ماہیت کیا ہوتی تھی اسی طرح کوئی یہ نہیں بتا سکتا کہ وحی کے واسطہ کی حقیقت کیا تھی؟ اسے صرف انبیاء کرام ہی جانتے تھے بعض مقامات پر وحی کے خدا کی طرف سے براہ راست نازل ہونے کا بھی ذکر آیا ہے۔ مثلاً سورۃ الرحمٰن میں ہے: اَلرَّحْمٰنُ O عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ [55/1,2]''خدائے رحمٰن نے رسول کو قرآن سکھایا۔'' سورۃ النجم کی اس آیات کو ہم پہلے درج کر چکے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى [53-5] رسول کو اس وحی کی تعلیم خود خدا نے دی جو بڑی عظیم قوتوں کا مالک ہے۔ سورہ نمل میں ہے: وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ [27-6]''اے رسول! یہ قرآن تجھے خدائے حکیم و علیم کی طرف سے عطا کیا گیا ہے۔'' بہر حال وحی کا ذکر جبریل کے واسطے سے ہو یا براہ راست وہ ہوتی تھی خدا ہی طرف سے اور ہوتی تھی صرف نبی کی طرف۔

بعض مقامات میں وحی کو خدا کی طرف سے ہمکلامی کہہ کر بھی پکارا گیا ہے۔ مثلاً سورہ شوریٰ میں ہے: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ [42-51]
''انسانوں کے ساتھ خدا کے کلام کرنے کے تین طریقے ہیں۔ دو طریقے انبیا سے مخصوص ہیں اور تیسرا طریق عام انسانوں سے انبیاء کے ساتھ خدا کے کلام کرنے کا طریق ہی ہے کہ کبھی خدا کی وحی بوساطت جبریل نبی کے دل میں ڈال دی جاتی ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پس پردہ خدا کی باتیں ان تک پہنچ جاتی ہیں (جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا)۔

کلام اللہ:

یہ دونوں طریق انبیاء کے ساتھ مخصوص باقی رہے۔ غیر از انبیاء (عام انسان) سو ان کی طرف رسول بھیجا جاتا ہے جو ان تک خدا کے وہ احکام پہنچاتا ہے جنہیں خدا اپنی مشیت کے مطابق رسول کو دیتا ہے۔

ضمناً۔ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ خدا کے کلام کرنے کے لئے دیکھئے آیات (4/164، 7/143) اور قرآن کریم کو کلام اللہ کہنے کے سلسلے میں آیات (2/75، 9/6، 15/48)۔

ہم نے اوپر کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی وحی برگزیدہ افراد کو عطا کرتا تھا جنہیں نبی یا رسول کہہ کر پکارا جاتا ہے اس انتخاب کا معیار کیا ہوتا تھا؟ ہم نہیں کہہ سکتے۔ قرآن کریم نے اتنا ہی کہا ہے: [2/105، 3/73، 11/14، 2/16]۔ ''اس نعمت عظمیٰ کے لئے خدا اپنی مشیت کے مطابق جسے چاہتا مختص کر لیتا تھا۔

ہمارے یہاں مشہور ہے کہ

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال   کہ آگ لینے کو جائیں پیغمبری جائے

اس سے مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ اس اجتباء واصطفاء (یعنی وحی کے لئے انتخاب) کے لئے کسی خصوصیت کی ضرورت نہیں تھی۔ خدا جسے چاہتا یوں ہی اس کے سر پر تاج رکھ دیتا ایسا سمجھنا غلط فہمی پر مبنی ہے۔ جس ہستی کو اس منصب جلیلہ کے لئے منتخب کیا جاتا تھا اسے کن کن منازل سے گزرنا پڑتا تھا اس کی تفصیل حضرت موسیٰ کی داستان میں اس مقام پر کی گئی ہے جہاں وہ آگ لینے کے لئے گئے تھے۔

معیارِ انتخاب

جب انہیں وحی کے شرف سے نوازا گیا تو ان کا سر نیاز اظہار تشکر کے لئے جھک گیا اور انہوں نے کہا کہ بار الٰہا! یہ تیرا بہت بڑا احسان ہے جو مجھ پر کیا گیا ہے۔ اس پر بارگاہ خداوندی سے ارشاد ہوا کہ موسیٰ! تم پر ہمارا احسان کچھ پہلی مرتبہ نہیں ہوا۔ اس کا سلسلہ بہت پہلے شروع ہوا تھا۔ [20/37] اس کے بعد اس سلسلہ کی مختلف کڑیاں گنائی گئیں کہ جب ان کی والدہ سے کہا گیا کہ بچے کو صندوق میں ڈال کر دریا میں بہا دے اس طرح اس بچے نے فرعون کے محلات میں پرورش پائی پھر وہاں سے یہ مدین میں پہنچے اور وہاں برسوں تک شُبَانِي کے فرائض ادا کئے۔ اس کے بعد کہا: فَتَنّٰكَ فُتُونًا اس طرح تجھے ہم نے بہت سی کٹھانیوں میں

سے گزارا۔ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى O وَ اصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي [20/40-41]''ان مختلف مراحل میں سے گزرنے کے بعد جب تو ہمارے پیمانے پر پورا اُترا تو ہم نے تجھے اپنے ایک خاص پروگرام کی تکمیل کے لئے منتخب کیا ہے۔''

یہ حقیقت کہ وحی میں صاحب وحی کی عقل وفکر کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ دو ایک مقامات پر اس انداز سے واضح کی گئی ہے کہ جوں جوں نگہ بصیرت اس کی گہرائیوں میں اُترتی ہے۔ روح وجد میں آجاتی ہے۔ وحی خدا کے ایک برگزیدہ فرد کو براہ راست عطا ہوتی ہے۔ نظر بظاہر یہ دکھائی دے گا کہ رسول سے بڑھ کر اور کون اس حقیقت سے آگاہ ہوگا۔ وہ وحی یکسر مبنی بر صداقت ہے۔ یعنی رسول کا حامل وحی ہونا خود اس امر کی دلیل ہونا چاہئے تھا کہ اسے اس کی صداقت پر ایمان ہے۔ بالفاظ دیگر اسے دوسروں کی طرح اُس پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں لیکن قرآن کریم میں ہے۔

رسول اللہ کا ایمان لانا:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ [2/285] جو کچھ خدا کی طرف سے رسول پر نازل کیا جاتا ہے خود رسول بھی اس اسی طرح ایمان لاتا ہے جس طرح باقی مومنین یہ سب خدا اس کے ملائکہ اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔'' اتنا ہی نہیں بلکہ رسول اکرم اس کا اعلان فرماتے ہیں : اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ [42-15] میں اس کتاب پر ایمان لاتا ہوں جسے خدا نے نازل کیا ہے۔''

آپ سوچئے کہ خود رسول کا اپنے اوپر نازل شدہ کتاب پر ایمان لانے سے کیا مراد ہے؟ ہم سابقہ باب میں دیکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے متعلق یہ کہا ہے کہ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا [25/73]۔''مومن وہ کہ اور تو اور جب آیات خداوندی بھی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہیں تو ان کے سامنے بھی اندھے بہرے بن کر نہیں جھکتے۔ یعنی ایمان کہ منزل من اللہ صداقتوں کو کامل غور وفکر کے بعد صحیح تسلیم کیا جائے ، جب رسولؐ پر آیات نازل ہوتی تھیں تو اس میں غور وفکر کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ وہ تو خارج سے عطا شدہ علم تھا جو نبی کے پاس آجاتا تھا۔ اس کے بعد نبی خود ان پر عقل وفکر کی رُو سے غور وفکر کرتا اور دوسرے لوگوں کی طرح ان کی صداقت پر ایمان لاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر وحی نبی کی اپنی فکر کی تخلیق ہوتی تو اُسے اس پر غور وفکر کر کے ایمان لانے کی ضرورت کیا تھی! یہ ایک عظیم حقیقت ہے جسے قرآن کریم نے اس انداز سے بیان کیا ہے۔

اوپر کے صفحات میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے یہ حقیقت سامنے آگئی کہ بعض برگزیدہ افراد کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس طرح براہِ راست علم دیا جاتا تھا کہ اس میں اس فرد کی سعی وکاوش یا فکر وخیال کا کوئی دخل نہیں ہوتا تھا، قرآنی اصطلاح میں اس علم کو وحی کہا جاتا ہے۔ اور جن حضرات کو یہ علم ملتا تھا انہیں نبی یا رسول کہہ کر پکارا جاتا ہے۔

وحی کے لغوی معانی]

یہ وحی کے اصطلاحی معنی ہیں لیکن قرآن کریم میں بعض مقامات پر یہ لفظ اپنے لغوی معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے لغت کی رُو سے الوحی کے معانی ہیں ایسا اشارہ جس میں تیزی اور سرعت ہو یعنی کسی کو اس طرح اشاروں میں بات سمجھا دینا کہ کسی

دوسرے کو اس کا علم نہ ہونے پائے۔ اس اعتبار سے کسی سے کوئی بات چپکے سے کہہ دینے کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ انبیاء کی طرف وحی میں یہ مفہوم بھی پوشیدہ ہے

[۲] **اَوحیٰ** کے معنی حکم کرنا بھی آتے ہیں، خواہ یہ حکم کسی طریق سے دیا جائے، خارجی کائنات میں مختلف اشیاء یا حیوانات میں جو صلاحیتیں یا خصوصیات جبلّی طور پر رکھ دی گئی ہیں اس کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً سورہ نحل مین ہے: **وَ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ** [16-68] خدا نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کر دی کہ وہ اس طرح چھتہ بنائے اور اس میں شہد جمع کرے۔ سورہ حٰم میں **وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا** [4-12] اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانی کرّوں میں جبلی طور پر وہ صلاحیتیں رکھ دیں جن کے مطابق انہوں نے امورِ مفوّضہ کو سرانجام دینا تھا۔ سورۃ زلزال میں کرہ ارض کی مختلف کیفیات بیان کرنے کے بعد کہا **بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰی لَهَا** [5-99] وہ [زمین] سب کچھ اس لئے کئے جاتی ہے کہ تیرے رَبّ نے اسے اس کا حکم دے رکھا ہے۔

[۳] کوئی ایسی بات جسے کسی دوسرے کی طرف اس طرح پہنچا دیا جائے کہ اسے اس کی بخوبی علم ہو جائے خواہ یہ بات کسی کی وساطت سے پہنچائی جائے، اُسے بھی وحی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔۔ چنانچہ سورہ مائدہ میں حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کے متعلق ہے **وَ اِذْ اَوْحَیْتُ اِلَى الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَ بِرَسُوْلِیْ** [5-111] جب ہم نے حواریوں کی طرف یہ حکم بھیجا کہ وہ خدا پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائیں O ظاہر ہے کہ یہ حکم حضرت عیسیٰؑ کی وسطت سے بھیجا گیا ہوگا، جو اس وقت اُن میں موجود تھے۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ کی والدہ کی طرف جب یہ حکم بھیجا کہ وہ بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں بہا دے تو اس کے متعلق بھی کہا: **اِذْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّكَ مَا یُوْحٰۤى** [38-20] اے موسیٰؑ! جب ہم نے تیری والدہ کی طرف وہ حکم بھیجاO ظاہر ہے کہ یہ حکم کسی نبی کی وساطت سے بھیجا گیا ہوگا۔ سورہ قصص میں بھی ایسا ہی کہا گیا ہے، یعنی **وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى** [7-28] ہم نے اُمّ موسیٰؑ کی طرف یہ حکم بھیجاO

مندرجہ بالا مثالوں سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ قرآن کریم میں غیر از انبیاء کی طرف وحی کرنے کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ لیکن ان مقامات میں وحی کا لفظ اپنے لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے، نہ کہ اُن اصطلاحی معنوں میں جو انبیاء کرامؑ کے لئے مختص تھا۔ بالفاظِ دیگر، خدا کی طرف سے براہِ راست علم کہ جسے وحی کی اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے، صرف حضرت انبیاء کرامؑ کو عطا ہوتا تھا۔ ان کے علاوہ کسی انسان کو ایسا علم نہیں ملتا تھا۔

ختمِ نبوّت]

حضرات انبیاء کرام کی طرف وحی کا یہ سلسلہ حضرت نوحؑ سے شروع ہوا اور حضور نبی اکرمؐ کی ذاتِ گرامی پر آ کر ختم ہو گیا، اس سلسلہ کو اس لئے ختم کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کی راہنمائی کے لئے جو کچھ دینا تھا وہ مکمل طور پر دے دیا اور پھر اسے قیامت تک کے لئے قرآن کریم کی دفتین میں محفوظ کر دیا، چنانچہ سورہ انعام میں ہے کہ **وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ** [6-116] تیرے رَبّ نے جو باتیں، جو ہدایت، جو قوانین نوع

انسانی کی راہنمائی کے لئے دینے تھے وہ اس قرآن میں آکر صدق وعدل کے ساتھ اتمام پذیر ہو گئے ان میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ اس خدا کی طرف سے ہیں جو سب کچھ جاننے والا ہے O اسی سورۃ میں ذرا پیچھے **لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ** [6-34] کے الفاظ دہرائے گئے۔ سورۃ یونس میں کہا گیا **لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ** [10-64 نیز 18-27] ان مکمل اور غیر متبدل قوانین کے مجموعے کو قرآن کریم میں درج کر دیا اور اس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے لیا **اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ** [15-9] ہم ہی نے اس قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں O

جب ان ابدی غیر متبدل قوانین کو اس طرح محفوظ کر دیا تو اسے تکمیل دین سے تعبیر کیا [5-3] اور حضورؐ کو خاتم النبیّن کہہ کر پکارا [33-40]۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر قرآن کریم میں حضورؐ کے لئے خاتم النبیّنؐ کے الفاظ بھی نہیں آتے تو بھی ختم نبوت کا تصوّر بالکل واضح تھا، نبوّت کے معنی ہیں خدا کی طرف سے بذریعہ وحی، پیغاماتِ خداوندی کا حاصل ہونا۔ جب اللہ تعالیٰ نے وہ تمام پیغامات جو انسانوں کو دیئے جانے مقصود تھے، مکمل اور غیر متبدّل طور پر عطا کر دیئے اور ان کی حفاظت کا ذمہ بھی خود لے لیا اس کے بعد سلسلہ نبوّت کا جاری رکھنا بے معنی اور بے مقصد تھا۔ پیغامات کی تکمیل اور حفاظت کے بعد مزید پیغامات کے بھیجے یا ان میں تبدیلی پیدا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اور جب نہ ان پیغامات میں اضافے کی ضرورت تھی اور نہ تبدیلی کی تو پھر کسی نبی کے بھیجنے کا مقصد کیا تھا؟ نبی بلا کتاب [احکامِ خداوندی] کا تصور ہی باطل ہے۔ قرآن کریم نے واضح طور پر کہہ دیا کہ ہر نبی کو کتاب [احکامِ خداوندی] ملی تھی۔ اس نکتہ کی وضاحت کے لئے میری کتاب "تحریک احمدیت اور ختم نبوت" ملاحظہ فرمایئے۔ ختم نبوت کے بعد خدا کی طرف سے براہِ راست علم حاصل ہونے کا تصور، عقیدہ یا دعویٰ قرآن کریم کی کھلی ہوئی تردید اور تکذیب ہے خواہ اس کا نام کچھ ہی کیوں نہ رکھ دیا جائے۔

کشف والہام]

قرآن کریم میں اس کے لئے صرف وحی کی اصطلاح آئی ہے۔ کشف اور الہام جیسی اصطلاحات غیر قرآنی ہیں اور دوسروں کے ہاں سے مستعار لی ہوئی۔ کشف کا لفظ تو قرآن کریم میں ان معانی میں آیا ہی نہیں۔ باقی رہا الہام، سو اس کے مادہ [ل۔ ہ۔ م] سے سورۃ الشمس میں نفس انسانی کے متعلق کہا ہے کہ **فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا** [91-8] الہام کے معنی ہوتے ہیں کسی شے کو کسی چیز کے اندر رکھ دینا یا یکبارگی نگل لینا۔ اس آیت میں کہا یہ گیا ہے کہ انسان کو نفس عطا کیا گیا اور اس میں دونوں امکانات رکھ دیئے، یعنی اقدارِ خداوندی کی خلاف ورزی سے اس میں تخریب یا انتشار پیدا ہو جانا [Disintegration] اور ان اقدار کی پابندی سے اس کا اس تخریب سے محفوظ رہ کر نشو ونما پا لینا [Integration] یہ ہر دو امکانات [Integration] اور [Disintegration] نفس انسانی کے اندر ودیعت کر دیئے گئے۔ الہام کا لفظ قرآن کریم میں اور کسی جگہ نہیں آیا۔ اس لئے خدا سے براہ راست علم حاصل کرنے کے لئے یہ کہنا کہ یہ وحی نہیں، کشف یا الہام ہے محض لفظی تبدیلی سے ختم نبوت کی مہر کو توڑ دینے کے مرادف ہے۔ قرآن کریم کی رُو سے، خدا سے براہِ راست علم حاصل ہونے کا نام وحی ہے۔ کشف یا الہام نہیں۔ اور وحی کا سلسلہ اب ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے۔

جمہوریت کا جدید لبادہ۔ سیکولرازم

دُنیا کے وجود میں آنے کے بعد اس دُنیا میں رہنے والے انسانوں نے کئی حکومتی اور سیاسی نظام تخلیق کیے اور اختیار کیے، لیکن ہر نظام ایک مدت کے بعد اپنی موت آپ ہی مر گیا۔ ان سیاسی نظاموں کے تخلیق کرنے کی وجہ یہ تھی کہ انسان نے حاکیت اپنے سر لے لی اور یہ مائنڈ سیٹ بنا لیا کہ افراد کی طاقت سے بالا اور زبردست ہوتی ہے، اور ان تمام سیاسی نظاموں کے برباد ہونے کی سب سے بنیادی وجہ یہ تھی کہ یہ انسان کے بنائے ہوئے نظام تھے۔

جب تک اس دنیا میں خلافت تھی اور جن جن جگہوں پر خلافت نافذ تھی اور مسلمانوں کی حکومت تھی، تب تک دنیا ان تمام جگہوں پر بہت پرسکون اور عدل و مساوات کا گہوارہ تھی، کیونکہ علاقہ کا گورنر ہو یا علاقے کا خلیفہ ہو، وہ اللہ تعالیٰ کو جواب دہ تھا۔ جب خلافت ملوکیت میں تبدیل ہوئی اور صرف خلافت کا نام رہ گیا، تب سے دنیا میں گڑبڑ شروع ہوئی اور کیونکہ اب اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام میں انسانی مداخلت شروع ہو گئی تھی جس کی سب سے بڑی مثال گریٹ اوٹومان ایمپائر [خلافت عثمانیہ] ہے حالات اتنے خراب نہیں تھے۔

اس کے بعد کئی نظام آئے، بادشاہت آئی اور ختم ہو گئی، پھر کیمونزم آیا اور اپنی موت آپ مر گیا۔ بیچ میں کئی نظام آتے رہے اور اپنی موت آپ مرتے رہے تاہم بنیادی عقیدہ یہی ہے کہ کیمونزم کی موت کے بعد جمہوریت آئی جس کا مرکز لوگ تھے، جو لوگ چاہیں وہی قانون بن جائے گا اور میرے ذاتی خیال میں جمہوریت کا ہی ایک اور تسلسل سیکولرازم کی شکل میں آیا ہوا ہے، اب ایک اور نظام سامنے آرہا ہے، آہستہ آہستہ جس کو ہم عرف عام میں دجالی نظام کہتے ہیں اور دنیا کی زبان میں نیو ورلڈ آرڈر کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اس تمام صورتحال میں جو سب سے بڑی برائی رہی، وہ اندھی تقلید ہے۔ جب کیمونزم اپنے عروج پر تھا تو ہر طرف سے آوازیں آتی تھیں کیمونزم کے بغیر ملک نہیں چلتا، پھر کیمونزم ختم ہو گیا اور جمہوریت سامنے آئی تو اب ہر جگہ سے آوازیں آتی ہیں جمہوریت کے بغیر ملک نہیں چلتا، اور اب ایک گروہ ہے جو شر پسند اور اسلام دشمن عناصر پر مبنی ہے جو کہتے ہیں سیکولرازم کے بغیر ملک نہیں چلتا۔ جو نظام ختم ہو گئے، وہ تو گئے لیکن جو موجود ہیں وہ تمام کے تمام اسلامی احکامات سے قطعی طور پر تضاد رکھتے ہیں اور یہ کسی مسلمان ریاست کا قطعی شیوہ نہیں ہونا چاہیے کہ وہ ایک ایسے نظام حکومت کو اپنے ملک میں نافذ کرے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اسلام کے طریقوں سے قطعی طور پر تضاد رکھتے ہیں تاہم چونکہ پاکستان اور دنیا کے کئی مسلم ممالک میں جمہوریت ہی نافذ ہے، اسی لئے زیادہ بات اور زیادہ توجہ اسی نظام حکومت پر مرکوز رکھی جائے گی۔ ان شاء اللہ۔

اگر کیمونزم کو دیکھا جائے تو اس میں لوگ رائے نہیں دے سکتے، اقلیتوں کو کچھ گھاس نہیں ڈالی جاتی، وزراء کو حکومت کا نمائندہ سمجھا جاتا ہے اور جو حکومت فیصلہ کرے وہ حتمی ہے، یعنی اگر حاکم وقت نے کوئی نہایت بیہودہ اور غلط فیصلہ کیا ہے تو اس پر کوئی چوں چراں نہیں کر سکتا جو کہ بالکل غلط ہے۔

سیکولرازم میں ہر کسی کو مکمل شخص آزادی حاصل ہے، یعنی کوئی نماز پڑھے، کسی کے ساتھ جس طرح کا تعلق رکھے، جس قسم کی حرکات وسکنات اختیار کرے اور جو مرضی کرتا رہے، اس کی زندگی ہے اس کا اپنا اختیار ہے، ریاست یا کوئی بھی اس کو کچھ نہیں کہہ سکتا، بس قانون کی پاسداری کرتا رہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص شراب بیشک پیئے لیکن شراب پی کر گاڑی نہیں چلائے، سگنل نہیں توڑے اوور اسپیڈ نہیں ہو وغیرہ وغیرہ اور یہ تو قطعی طور پر غلط ہے۔ جمہوریت میں رائے کا حق اور فیصلہ کرنے کا حق عوام کو حاصل ہے، عوام اپنا نمائندہ چنتے ہیں اور عوام کی رائے کوئی چلینج نہیں کر سکتا یعنی اگر عوام کی اکثریت بد فعلی اور غلط روایات اور اقدار پر عمل کرتی ہے، اور وہ اسی وجہ سے ایک حق پر ڈٹے ہوئے شخص کو رد کر کے غلط آدمی اپنے لئے چن لیتی ہے تو یہ بالکل جائز ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں۔۔۔۔ یہ بھی بالکل غلط ہے۔

اگر جمہوریت کا اسلامی احکامات وتعلیمات سے موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں طاقت کا سرچشمہ اور مرکز اللہ تعالیٰ ہے جبکہ جمہوریت میں طاقت کا مرکز عوام ہیں۔ اسلام میں حق پر ڈٹا رہنے والا ہزاروں جھوٹوں پر غالب ہے جبکہ جمہوریت میں جس کے زیادہ ووٹ ہیں، وہ غالب ہے اور اس کا مظاہرہ پچھلے کئی برس سے مسلسل دیکھنے میں آیا ہے۔ یہی نہیں، اسلام کہتا ہے کہ اگرچہ حق پر ہونے والے قلیل ہوں اور تعداد میں کم ہوں لیکن حق کا ساتھ دینا لازم ہے جبکہ جمہوریت میں اکثریت جو کہتی ہے، اور جس کا پلڑہ تعداد میں بھاری ہوتا اگرچہ جھوٹ اور غبن اور بے ایمانی اس میں ملی ہوئی ہو، فیصلہ اسی کے حق میں ہوتا ہے اور وہی مسند اقتدار پر براجمان ہوتا ہے۔

جمہوریت کے بارے میں مفکر قرآن اور حکیم الامت، علامہ محمد اقبال کہتے ہیں کہ

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس وخود نگر
کاروبار شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میر وسلطاں پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطاں، غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر!
تو نے دیکھا ہی نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر!

میری رائے کے مطابق اب موجودہ سیکولرازم اسی جمہوریت کا ایک تسلسل ہے جیسے ایک پودہ ہوتا ہے، وہ جب زمین میں چھوٹا رہتا ہے، تو اس کی چھوٹی چھوٹی شاکیں ہوتی ہیں، اور جب بڑھتا ہے تو اس کا حجم، اس کی شاخیں اور گھراو بھی بڑھ جاتا ہے، جمہوریت وہ چھوٹا پودہ تھا، اب جب وہ پودا درخت بنا ہے تو سیکولرازم کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اس کے بعد دوسرا مرحلہ شخصی آزادی، انسان جو مرضی کرے اس کو آزادی ہے، کوئی روک ٹوک نہیں ہونی چاہیے، پھر عورتوں کی آزادی کا ایک نیا رنگ سامنے لایا گیا، کہ عورتوں پر بڑا ظلم ہوتا ہے، ان کو پردے میں بند کر کے نہیں رکھنا چاہئے، ان کی مرضی وہ جیسے چاہیں جس کے ساتھ چاہیں، رہیں، ان کو آزاد کیا جائے، پھر ہیومین رائٹس واچ، اور انسانی حقوق کی علمبردار تنظیمیں اور

این جی اوز کا تصور سامنے آیا، اس کے بعد ہمارا کلچر یہ خاندانی نظام، یہ سب بیکار چیزیں ہیں، کیونکہ ایک شخص کے ساتھ قید کی زندگی گزاری جائے، انسان آزاد پیدا ہوا ہے وہ جہاں جس مرضی کے ساتھ جب جیسے جس حال میں رہے، ایک سے دل بھر گیا تو ٹھیک ہے دونوں فریقین کسی دوسرے کے ساتھ تعلقات رکھ لیں، آزادی ہونی چاہیے، وغیرہ وغیرہ لیکن ان سب سے بھی دال نہیں گلی اور دنیا کے کئی عیسائی خاندان بھی [یعنی اس نظام کے بنانے والوں کے اپنے لوگ بھی] قطعی طور پر نالاں اور ان کے خلاف تھے تو ایک نیا حربہ آزمایا گیا۔ اب کہا جاتا ہے کہ یہ مذہب بڑی خراب چیز ہے، یہ روک ٹوک کرتی ہے اسی کو نکال کر باہر پھینک دو اور یہ وہ فتنہ ہے جس نے سیکولرزم کو جنم دیا۔

اس کے ساتھ ساتھ پوری دنیا کے کُل مسلم ممالک اُٹھا کر دیکھ لیں، زیادہ تر ان سب اقدار و روایات کو اپنا چکے ہیں، اکثریت اس سانپ سے ڈسی جا چکی ہے، مراکش کو دیکھ لیں، تیونس میں سر ڈھانپنے کی پابندی تک لگ چکی تھی، عرب امارات کی حالت دیکھ لیں، دبئ کے ہوٹلوں میں کیا ہے جو نہیں ہوتا، بہت کم مسلم ممالک بچے ہیں جو اب تک ایک دیوار بنے ہوئے ہیں اور ان میں بھی اکثریت کے اڑنے کی وجہ ان کی عوام ہے، اور ان سب میں بھی واحد ایک پاکستان ہے جس کا متوسط طبقہ سب سے زیادہ رُکاوٹیں کھڑی کر رہا ہے اس معاملے میں، اور اسی وجہ سے سب سے زیادہ یلغار بھی پاکستان پر ہی ہو رہی ہے، اور اس کے ساتھ تمام اقوام مغرب کی سرتوڑ کوشش ہے کہ مسلمانان عالم کو اسی جمہوریت اور مست مئے ذوق تن آسانی رکھا جائے اور ان کو میدان میں لائے بغیر ان کو فتح کیا جائے کیونکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اگر یہ مسلمان جاگ گئے تو پھر ان کو اپنی سالمیت کے شدید لالے پڑ جائیں گے جیسے علامہ اقبال کہتے ہیں کہ

خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہان بے ثبات
ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر
جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات!
ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات!
مست رکھو ذکر و فکر صبحگاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاج خانقاہی میں اسے

آج کتنے نوجوان ہیں جو موسیقار، گلوکار اور راک اسٹار بننا چاہتے ہیں، اور کتنے ہیں جو خالد بن ولیدؓ، موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد یا صلاح الدین ایوبی بننا چاہتے ہیں۔ ہم نے ان کی کہانیاں تک بھلا دیں، ایسا سلوک کیا کہ داستان بھی نہ ہو گی داستانوں میں۔ کیا اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو اپنے اس ملک کی باگ دوڑ دے گا۔

اس سب کا حل کیا ہے؟ جیسا کے پہلے بتایا گیا کہ ان تمام نظاموں کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی کہ یہ نظام انسان کی تخلیق تھے اور انسان اپنی عقل میں بہت ناقص ہے لہٰذا جب تک ممالک انسان کے نظام کو اپنائیں گے تب تک کچھ نہیں ہو سکتا حل یہ ہے کہ انسان کے نظاموں کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کے نظام و نافذ کیا جائے اور یہ باور کیا جائے کے حاکمیت انسانوں کی نہیں بلکہ

حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، وہ نظام کیا ہے اور اس کو کیسا ہونا چاہیے؟ اس کے لئے سب سے بڑی اور بہترین مثال حضرت عمر بن خطابؓ کی ہے، آدھی دنیا پر حکومت اِلٰہیہ قائم تھی لیکن ہر جگہ عدل اور انصاف اور مساوات کا دور دورہ تھا، کہیں کسی کے حقوق کی پامالی قطعی طور پر ناممکن تھی چاہے وہ مسلمان ہو، عیسائی ہو، یہودی ہو یا کوئی بھی ہو، حاکمیت صرف اللہ کی ہوگی، نظام صرف اللہ تعالیٰ کا چلے گا۔ ایک ادنیٰ سے قاصد سے لے کر گورنر اور خلیفہ وقت تک سب پہلے اللہ تعالیٰ کو جوابدہ ہیں پھر کسی اور کو جوابدہ ہیں اور اس نظام کو حکومتِ اِلٰہیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

جب تک یہ نظام نافذ نہیں ہو جاتا، ہر طرف ایسی ہی ہیجان اور اضطراب کی کیفیت قائم رہے گی، ایسے ہی بے سکونی پوری دنیا کو اپنے گرد گھیرے لئے رہ گی اور قوموں کے سب سے رذیل لوگ اور چور اور اُچکے اپنی قوموں کی نمائندگی کرتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ پاکستان اور پاکستان کی عوام کا حامی و ناصر ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رحمت اور مغفرت کی لپیٹ میں لے کر اپنے فضل کی بارش ہم سب پر برسائے۔۔ آمین

زندگی بہت قیمتی چیز ہے اس پر بہت توجہ دیجئے

سورہ عصر میں اللہ کا فرمان ہے: وَالْعَصْرِ () اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ () اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (103/1,2,3) سابقہ تاریخی ادوار اس بات کے گواہ ہیں، بے شک انسان گھاٹے، نقصان، خسارے [خُسْرٍ] میں ہے۔ سوائے اُن لوگوں جنہوں نے ایمان اور امن کی راہ اختیار کی اور اصلاحی و تعمیری طرز پر چل پڑے اور سچائی صبر و استقامت کے چلن کی تلقین و تاکید کرتے رہے O انسان ایک مخصوص زمانہ میں پیدا ہوتا ہے، زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی عمر آگے بڑھتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ زمانہ کی اس حد پر پہنچ جاتا ہے جو اس کی عمر کی آخری حد ہے۔ اب اس پر موت آجاتی ہے، انسانی زندگی کی یہ نوعیت بتاتی ہے کہ وہی انسان کامیاب ہے جو اپنے ملے ہوئے وقت کو درست استعمال کر سکے، ورنہ وقت گزر جائے گا اور آخر میں اس کے حصہ میں کچھ نہ ہوگا۔ اللہ کی عطا کردہ زندگی کے اس دور میں جو شخص سچ کو پہچان جاتا ہے وہ بازی جیت جاتا ہے، اور جو سچ کو نہیں پہچانتا اور اس مال و متاع کی دنیا کو سچ سمجھ کر اس میں پھنس جاتا ہے وہ بازی ہار جاتا ہے، زندگی بہت قیمتی چیز ہے اس پر بہت توجہ دیجئے۔

ایک بزرگ نے کہا کہ سورۃ عصر کا مطلب میں نے ایک برف بیچنے والے سے سمجھا جو بازار میں آواز لگا رہا تھا کہ لوگو! اس شخص پر رحم کرو جس کا اثاثہ گھل رہا ہے، لوگو، اس شخص پر رحم کرو جس کا اثاثہ گھل رہا ہے، اس پکار کو سن کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ جس طرح برف پگھل کر کم ہوتی رہتی ہے، اسی طرح انسان کو ملی ہوئی عمر بھی تیزی سے گزر رہی ہے، عمر کا موقع اگر بے عملی میں یا برے کاموں میں کھو دیا جائے تو یہی انسان کا گھاٹا ہے۔ اپنے وقت کو صحیح استعمال کرنے والا وہ ہے جو موجودہ دُنیا میں تین باتوں کا ثبوت دے، ایک ایمان، یعنی حقیقت کا شعور اور اس کا اعتراف، دوسرے عمل صالح یعنی وہی کرنا جو کرنا چاہیے اور وہ نہ کرنا جو نہیں کرنا چاہیے، تیسرے حق و صبر کی تلقین، یعنی حقیقت کا اتنا گہرا اِدراک کہ آدمی اس کا داعی اور مبلغ بن جائے۔ اس دنیا میں ایک کامیاب زندگی پانے کے لئے صبر لازمی طور پر ضروری ہے، آدمی جب خلافِ ایمان باتوں کا چھوڑنا برداشت کرتا ہے، اسی وقت اس کو ایمان کی نعمت حاصل ہوتی ہے، جب وہ اپنی خواہشوں پر قابو پالیتا ہے، اسی وقت عمل صالح کو اختیار کرنا اس کے لئے ممکن ہو جاتا ہے۔ جب وہ لوگوں کی طرف سے پیش آنے والی ناخوشگواریوں پر صبر کرتا ہے، اسی وقت وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو حق کی نصیحت کر سکے۔۔۔۔۔۔۔ راشد

پروفیسر ڈاکٹر حمید رضا صدیقی

قائداعظم اور پاکستان کا نظام حکومت

پاکستان کے قیام کی جنگ برصغیر کے مسلمانوں نے قائداعظم کی قیادت میں لڑی۔ قائداعظم نے یہ جنگ بلاوجہ نہیں لڑی اور نہ ہی قائداعظم کسی واضح لائحہ عمل اور سوچ کے بغیر کام کرنے کے عادی تھے۔ پاکستان کا قیام کیوں ضروری ہے انہوں نے اس پر ایک بار نہیں سینکڑوں مرتبہ کھل کر اظہار کیا۔ اسی طرح پاکستان کے مستقبل کے نظام حکومت اور سیاسی و آئینی ڈھانچے کے بارے میں انہوں نے متعدد مواقع پر اظہارِ خیال کیا۔ مختلف لوگوں نے مختلف اوقات میں ان سے ملاقاتیں کیں اور ان سے پاکستان کے نظام حکومت اور آئین کے بارے میں وضاحتیں چاہیں۔ یہ سب اب ہماری تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں۔ قائداعظم کے بیانات، اخباری کانفرنسیں، انٹرویو اور مختلف لوگوں سے ملاقاتیں ان کے ذہن کی واضح عکاسی کرتی ہیں۔ 1940ء کی قراردادِ لاہور کی منظوری کے موقع پر اپنے تاریخی خطبہِ صدارت میں انہوں نے ایک جگہ کہا تھا: ''قوم کی خواہ کوئی بھی تعریف کی جائے مسلمان اس تعریف کے مطابق ایک قوم ہیں۔ ان کا اپنا وطن، ان کا اپنا علاقہ اور ان کی اپنی مملکت ضرور ہونی چاہیے، ہم ایک آزاد اور خودمختار قوم کی حیثیت سے اپنے پڑوسیوں کے ساتھ امن اور اتفاق کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری قوم اپنی پسند اور اُمنگوں کے مطابق اور اپنے معیار اور نصب العین کو مدنظر رکھتے ہوئے اور اپنی روحانی، ثقافتی، اقتصادی، سماجی اور سیاسی زندگی کا بہترین اور بھرپور طریقے پر ترقی دے سکے''۔

قائداعظم کے اس تقریری اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دوقومی نظریئے کی بنیاد پر مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ وہ پاکستان کے خطے کو امن و آشتی کا مرکز بنانا چاہتے ہیں۔ جہاں مسلمان اپنی قومی روایات کے مطابق زندگی گزار سکیں اور روحانی، اقتصادی اور سیاسی طور پر ترقی کر سکیں۔ ایک اور موقع پر قائداعظم نے کہا: ''ہم ایسی مملکت کا قیام نہیں چاہتے جو تنگ نظری اور مذہبی تعصب پر قائم ہو۔ مذہب ہمیں انتہائی عزیز ہے، مذہب کے مقابلے میں تمام دنیاوی چیزیں ہمارے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتیں''۔ پاکستان کے قیام سے صرف سولہ ماہ قبل قائداعظم کا یہ ارشاد اس امر کی واضح طور پر نشاندہی کر رہا تھا کہ ان کے سامنے مذہب کی بنیاد پر پاکستان کا تصور تو ضرور تھا لیکن وہ ایسے پاکستان کا تصور تھا جو فرقہ واریت اور مذہبی تعصب پر قائم نہ ہو اور جو علاقائی، لسانی تعصب، مفاد پرستی اور تنگ نظری سے پاک ہو جہاں اعلیٰ صفات کے حامل افراد اسلام کے معاشرتی اُصولوں کے مطابق زندگی گزار سکیں۔

قائداعظم کے ذہن میں جس ریاست کا تصور تھا وہ مذہبی ریاست نہیں تھی۔ وہ معاشرتی اور معاشی عدل وانصاف کی بنیاد پر اسلامی فلاحی ریاست قائم کرنا چاہتے تھے۔ 13 مارچ 1943ء کو علی گڑھ میں مسلم لیگ کے ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا: ''میں غریب مسلمانوں کی حالت سدھارنے کے لئے کام کر رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کو کھانا، کپڑا اور زندگی کی دوسری چیزیں وافر مقدار میں مہیا ہوں اور معاشی اعتبار سے پائیدار ہوں''۔

11 اپریل 1946ء کو دہلی میں مسلم لیگ کے کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ "ہم کس چیز کے لئے لڑ رہے ہیں؟" ہمارا مقصد ہے۔ وہ یقیناً کرسی نہیں ہے اور نہ ہی تھیاکریٹک اسٹیٹ ہے۔ مذہب کے وجود سے کون انکار کرسکتا ہے اور مذہب ہمیں عزیز بھی ہے۔ چنانچہ ہم جب مذہب کی بات کرتے ہیں تو دنیاوی اشیاء کو کوئی وقعت نہیں دیتے لیکن اور چیزیں بھی ہیں جو زندگی کے لئے ازبس ضروری ہیں۔ مثلاً ہماری معاشرتی زندگی، ہماری معاشی زندگی اور بغیر سیاسی اقتدار کے آپ اپنے عقیدے یا معاشی زندگی کی حفاظت کیسے کرسکیں گے"۔

3 جولائی 1947ء کو قائداعظم نے پاکستان کے نامزد گورنر جنرل کی حیثیت سے یقین دلایا کہ پاکستان کی نوآبادی میں اقلیتوں کے مذہب، تہذیب، تمدن اور معاشرت کا ہر ممکن تحفظ کیا جائے گا۔ ان کو ہر صورت میں پاکستان کا شہری تصور کیا جائے گا۔ اور ان کو شہریت کے تمام حقوق دیئے جائیں گے۔ ایک سوال کے جواب میں کہ پاکستان میں ایک غیر مذہبی حکومت ہوگی یا وہاں حکومت اِلٰہیہ قائم ہوگی؟ قائداعظم نے کہا کہ آپ مجھ سے ایسا سوال کررہے ہیں جو بالکل لغو ہے جس کے کوئی معنی نہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ حکومت اِلٰہیہ کے کیا معنی ہوتے ہیں۔ اس موقع پر ایک نامہ نگار نے کہا کہ حکومت اِلٰہیہ کے معنی ایک ایسی حکومت ہے جہاں صرف ایک خاص مذہب کی حکومت ہو۔ مثال کے طور پر مسلمان پوری طرح سے شہری ہوں گے اور غیر مسلموں کو مکمل طور پر وہاں کا باشندہ نہیں سمجھا جائے گا۔ قائداعظم نے جواب میں کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں نے اب تک جو کچھ کہا بالکل ایسا ہی ہے جسے میں کسی بطخ کی پیٹھ پر پانی پھینکتا رہا ہوں مہربانی کرکے ان تمام لغو باتوں کو اپنے دماغ سے نکال دیجئے۔ جن پر اس وقت گفتگو ہو رہی ہے حکومت اِلٰہیہ کے معنی کیا ہیں یہ میں بالکل نہیں سمجھتا اس موقع پر دوسرے نامہ نگار نے کہا کہ حکومت اِلٰہیہ کا مطلب وہ حکومت ہے جو مولویوں کے مشورے سے چلائی جائے۔ قائداعظم نے کہا اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ انڈیا کی حکومت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو پنڈتوں کی طرف سے چلائی جائے گی۔ جب آپ جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے اسلام کا قطعاً مطالعہ نہیں کیا ہے آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم آج سے تیرہ سو سال قبل ہی جمہوریت کا عملی ثبوت دے چکے ہیں۔

2 نومبر 1941ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے ایک سابق کانگریسی وزیر مسٹر منشی کی ایک تقریر کا حوالہ دیا جس میں انہوں نے کہا کہ پاکستان کی حکومت ایک مذہبی حکومت ہوگی اور ان لوگوں کو جو مسلمان نہیں حکومت میں کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ مسلمانوں کی مذہبی حکومت کے تحت ایک کروڑ تیرہ لاکھ ہندوؤں اور سکھوں کو اقلیت کی حیثیت حاصل ہوگی اور پنجاب میں انہیں مسلمانوں کے رحم و کرم پر رہنا ہوگا۔ قائداعظم نے اپنے جواب میں کہا کہ ان کا یہ کہنا غلط ہے کہ یہ ایک مذہبی ریاست ہوگی۔ جس میں سکھوں اور ہندوؤں کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا۔ مسٹر منشی غالباً یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں غیر مسلموں سے اچھوتوں جیسا سلوک کیا جائے گا۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اچھوت پن کو صرف ان کے مذہب اور فلسفے میں دخل حاصل ہے۔ مسلمانوں کے ہاں یہ بات نہیں، اسلام ان غیر مسلموں کے حقوق کا جو ان کی حفاظت میں رہتے ہیں علمبردار ہے انصاف کا، مساوات کا، راستبازی کا اور بے تعصبی کا بلکہ فیاضی کا، یہ لوگ ہمارے بھائی ہوں گے اور ریاست کے شہری سمجھے جائیں گے۔

قائداعظم اس بات پر پختہ یقین رکھتے تھے کہ پاکستان کی مجوزہ ریاست میں غیر مسلم دوسرے درجے کے شہری تصور نہیں

ہوں گے۔ اور نہ ہی یہ ایک مذہبی [تھیاکریٹک] ریاست ہوگی بلکہ یہ ایک ایسی ریاست ہوگی جو اسلام کے جمہوری اصولوں پر استوار ہوگی کیونکہ قائداعظم اسلام کو محض عبادات کا مجموعہ نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ اسے مکمل ضابطہ حیات سمجھتے تھے جو زندگی کے تمام شعبوں میں ان کی رہنمائی کرسکتا ہے۔ انہوں نے کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے جنوری 1948ء میں کہا تھا:

''اسلام محض رسوم، روایات اور روحانی نظریات کا مجموعہ نہیں ہے۔ اسلام ہر مسلمان کے لئے ایک ضابطہ حیات بھی ہے جس کے مطابق وہ اپنی روزمرہ زندگی اپنے افعال و اعمال حتی کہ سیاست، معاشیات اور دوسرے شعبوں میں بھی عمل پیرا ہوتا ہے۔ اسلام سب انسانوں کے لئے انصاف، رواداری، شرافت، دیانت اور عزت کے اعلیٰ ترین اُصولوں پر مبنی ہے۔ صرف ایک خدا کا تصور اسلام کے بنیادی اُصولوں میں سے ہے۔ اسلام میں انسان، انسان میں کوئی فرق نہیں ہے، مساوات، آزادی اور اخوت اسلام کے اساسی اُصول ہیں''

قائداعظم کے ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے اس لئے انفرادی زندگی کے علاوہ ہماری اجتماعی زندگی بھی اس کے تابع گزرنی چاہیے۔ ہماری ریاست اور ہماری معیشت اسی کے تابع ہے اور اسلامی نظام میں افراد کو ہر قسم کے حقوق حاصل ہوتے ہیں اور معاشرے میں رہنے والے تمام افراد ہر لحاظ سے مساوی اور برابر کے حقوق رکھتے ہیں اور انہیں تمام آزادیاں مساوی طور پر حاصل ہوتی ہیں۔

قائداعظم کے افکار و خیالات اور بیانات کا جائزہ لینے اور ان کا تجزیہ کرنے سے یہ حقیقت اُبھر کر سامنے آتی ہے کہ وہ مغرب کے روایتی تصور جمہوریت کو جو اکثریت کے فلسفے کی بنیاد پر قائم ہے ناپسند کرتے تھے، ان کے ذہن میں ایک ایسی ریاست کا تصور تھا۔ جو اسلام کے بنیادی اصولوں پر یقیناً قائم ہوگی۔ لیکن وہ ایک مذہبی ریاست [Theoracratic state] قطعاً نہیں ہوگی۔ جس میں تمام اختیارات مذہبی طبقے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ وہ ایسی جمہوری ریاست کے قائل نظر آتے ہیں جو اسلامی تصورات کی بنیادوں پر قائم ہو، جس میں حقوق اور آزادیوں کا تصور اسلام سے لیا گیا ہو۔ وہ اسی جمہوریت کو اصل جمہوریت قرار دیتے ہیں جو اسلامی نظریئے کی بنیاد پر قائم کی گئی ہو۔ سید نور احمد اپنی کتاب ''مارشل لاء سے مارشل لاء تک'' میں لکھتے ہیں: ''پاکستان کے متعلق قائداعظم وہ بنیادی نکتوں پر ہمیشہ بہت اصرار کے ساتھ غیر مبہم الفاظ میں زور دیتے رہے ہیں [1] پاکستان ایک جمہوری ملک ہوگا یعنی اس ملک کے نظام میں سیاسی حاکمیت اس ملک کے جمہور کو حاصل ہوگی۔ [2] پاکستان کے جمہور میں اس مملکت ہر شہری بلالحاظ مذہب وملت یکساں حیثیت سے شامل ہوگا۔ یعنی پاکستان ان معنوں میں مذہبی مملکت نہ ہوگا کہ یہاں سیاسی حاکمیت رکھنے والے جمہور میں یا نظم ونسق کی مشینری میں صرف ایک مذہب کے پیروؤں کی جگہ ہوگی البتہ ان معنوں میں یقیناً اسلامی مملکت ہوگا کہ اس ملک کے مسلمانوں کو جمہور کی بھاری اکثریت کی حیثیت سے اس بات کا پورا حق حاصل ہوگا کہ وہ مملکت کی پالیسیوں کو اسلام کے ان اصولوں کے مطابق ڈھالیں جو اُن کے نزدیک دائمی سچائی اور بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کا صحیح ذریعہ ہیں۔

پاکستان بننے سے پہلے مغرب کے جمہوری پارلیمانی نظام کو وہ برصغیر کے مسلمانوں کے لئے ضرر رساں سمجھتے ہیں اور اسے مسلمان کے مسائل کا حل نہیں سمجھتے وہ کہتے ہیں: ''برطانیہ کے لوگوں کو اس امر کا احساس کرنا چاہیے کہ ہندوستان کے حالات مغرب کے لئے کسی طرح سازگار نہیں ہیں۔ اور اس بارے میں ان کی تمام جدو جہد محض لایعنی اور بے سود ہے۔ ہندوستان میں پارٹی

گورنمنٹ کسی طرح درست نہیں۔ تمام حکومتیں خواہ وہ مرکزی ہوں یا صوبائی، ایسی ہونی چاہئیں جو ملک کے باشندوں کے تمام طبقوں اور فرقوں کی صحیح نمائندگی کر سکیں۔

مغرب جمہوریت پر تنقید کرتے ہوئے اور اکثریت کے فلسفے کو رد کرتے ہوئے قائداعظم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں 6 مارچ 1940ء کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔'' دو سال پہلے میں نے شملے میں کہہ دیا تھا کہ جمہوری پارلیمانی طرز حکومت ہندوستان کے لئے ناموزوں ہے۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں نے تعلیمات اسلامی کو ضرر پہنچانے کو جرم کیا ہے کیونکہ اسلام جمہوریت پسند ہے۔ جہاں تک میں نے اسلام کو سمجھا ہے۔ ہو کسی ایسی جمہوریت کی تلقین نہیں کرتا جس کی بنیاد پر مسلمانوں کی قسمت کے فیصلوں کا اختیار غیر مسلم اکثریت کے ہاتھ میں چلا جائے۔ ہم کسی ایسی طرز حکومت کو قبول نہیں کر سکتے جس میں غیر مسلم محض عددی اکثریت کی وجہ سے ہم پر قبضہ اقتدار حاصل کر کے حکومت کر سکتے ہیں۔ انہوں نے چھ کروڑ انسانوں کو تو اچھوت بنا رکھا ہے اور ایسے اصول قائم کئے ہیں جو فسطائی مجلس اعلیٰ کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ مغرب کے مختلف ممالک میں بھی عام طور پر مختلف نوع کی جمہوریت ہوتی ہے چنانچہ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہندوستان کے حالات یورپ سے مختلف ہیں۔ برطانوی جماعتی طرز حکومت اور نام نہاد جمہوریت قطعی ناموزوں ہے''۔

قائداعظم مغربی طرز کی جمہوریت کو جن بنیادوں پر رد کرتے ہیں ان کی طرف واضح اشارہ، وہ مسلم لیگ کے مدراس اجلاس منعقدہ اپریل 1944ء میں تقریر کرتے ہوئے کہتے ہیں:'' جمہوریت کے معنی ہیں اکثریت کی حکومت۔ اگر کسی ملک میں ایک قوم ہی بستی ہو اور سارے معاشرے کا نظام ایک ہی طرز پر ہو تو اکثریت کی حکومت کی کامیابی کا امکان سمجھ میں آسکتا ہے۔ حالانکہ ایک قوم کی صورت میں بھی ہمیں یہ طرز ہمیشہ ناکام ہی نظر آیا۔ اس طرح وہ حکومت جو لوگوں کے منتخب نمائندو کے ذریعے سے کی جاتی ہے۔ بشرطیکہ یہ لوگ یک رنگ اور ہم آہنگ قوم پر مشتمل ہوں سمجھ میں آسکتی ہے۔ لیکن اگر اس سے متعلق درست نتائج پر پہنچنے کے لئے ذہن کو ذرا کام میں لایا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ جب ایک ہی ملک میں دو قومیں آباد ہوں تو اس صورت میں ایسا نظام حکومت نہ چل سکتا، نہ کامیاب ہو سکتا ہے پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ ہمارے ہندوستان میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے دو مختلف معاشرے ہیں اور ایسے مختلف کہ ان کے اختلاف کو مکمل اختلاف کہنا چاہیے''۔

سیاسی مساوات کا جو تصور قائداعظم کے ذہن میں تھا اس کا اندازہ دو واقعات سے لگایا جاسکتا ہے۔ سر محمد یامین لکھتے ہیں۔ دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کا جلسہ ہو رہا تھا۔ ایک خوشامدی نے نعرہ لگایا'' شاہ پاکستان زندہ باد'' قائداعظم خوش ہونے کی بجائے فوراً بولے دیکھئے آپ کو اس قسم کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ پاکستان میں کوئی بادشاہ نہیں ہوگا۔ وہ مسلمانوں کی ری پبلک ہوگی جہاں سب مسلمان برابر ہوں گے۔ ایک کو دوسرے پر فوقیت نہیں ہوگی۔

اسی طرح کا دوسرا واقعہ ہے کہ 25 دسمبر 1945ء کو مسلمانان بمبئی نے قائداعظم کی انہترویں سالگرہ بڑی دھوم دھام سے منائی۔ جے جے ہسپتال کے قریب ایک آرائشی محراب پر قائداعظم کی ایک بہت بڑی تصویر لگی تھی۔ جس کے نیچے لکھا ہوا تھا، شہنشاہ پاکستان زندہ باد۔ قائداعظم اپنی بہن فاطمہ جناح کے ہمراہ یہاں سے گزرے۔ اس تصویر پر نظر پڑی تو فوراً ڈرائیور کو حکم دیا کہ گاڑی روکو۔ کار رکی تو ہزاروں مسلمان پل بھر میں ان کا ارد گرد جمع ہو گئے۔ قائداعظم نے ان سے پوچھا کہ یہ تصویر کس نے لگائی ہے۔ مجمع

سے آواز آئی ہم نے۔ قائداعظم نے ان سے پوچھا کہ یہ تصویر کس نے لگائی ہے۔ مجمع سے آواز آئی ہم نے۔ قائداعظم کے لہجے میں اگرچہ قدرے برہمی تھی لیکن مسکراتے ہوئے کہا "یہ تصویر آپ فوراً اتار دیں اور اگر آپ یہ تصویر نہ ہٹانا چاہیں تو یہ عبارت مٹا دیں جو اس کے نیچے لکھی ہوئی ہے بس پاکستان زندہ باد کافی ہے اُنہوں نے اپنے شیدائیوں کو سمجھاتے ہوئے کہا کہ پاکستان ایک جمہوری ملک ہوگا ہم جس پاکستان کے لئے لڑ رہیں اُس میں بادشاہ اور شہنشاہ کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔

قائداعظم کی زندگی کے بظاہر یہ دو معمولی سے واقعے ہیں لیکن یہ ان کے سیاسی نظریات کی واضح طور پر عکاسی کرتے ہیں کہ وہ غیر جمہوری اور غیر منتخب شخصی نظام حکومت پر قطعاً یقین نہیں رکھتے تھے۔ ایلن کیمبل جانسن لکھتے ہیں:

"تاریخی عوامل کا مقابلہ کر کے انہوں نے ایک نئی قوم کی تشکیل کی۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ ان کے نظریات کی بنیاد انسانی حقوق اور حق خودداریت پر تھی۔ پاکستان کا المیہ ہے کہ قائداعظم اور لیاقت علی خان دونوں جلد ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اگر دونوں رہنماؤں کو پانچ دس سال اور مل جاتے تو ملک کو پارلیمانی اور جمہوری نظام کے مطابق چلانے والی تربیت یافتہ اور دیرپا قیادت مل جاتی ہے"۔

قائداعظم خود ایسے نظام پر یقین رکھتے تھے جو عوامی اُمنگوں کے مطابق ہو۔ زیڈ اے سلہری نے بالکل صحیح لکھا: "اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ بے مثال جمہوریت پسند تھے اگر وہ جمہوری اُصولوں پر کاربند نہ ہوتے تو غیر ملکی حکمرانوں کی مخالفت کا کیا جواز پیش کرتے اور مسلمان قوم کے لئے الگ وطن کے مقدمات کو کس طرح تیار کر سکتے تھے۔ آزادی کی تمام تحریکیں درحقیقت جمہوریت کی پیداوار ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ عوام کی فلاح کے طالب تھے"۔

صحیح رہنمائی

یہ ایک حقیقت ہے کہ آج کے مسلمان سنگین مسائل سے دوچار ہیں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کا سبب مسلمانوں کے درمیان قیادت کا فقدان ہے، مگر حقائق کی روشنی میں دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ یہ ایک بالکل بے بنیاد مفروضہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کو اصل مسئلہ قیادت کا فقدان نہیں بلکہ اتباعِ قیادت کا فقدان ہے، مسلمانوں میں صحیح رہنمائی دینے والے قائد پیدا ہوئے، مگر قوم نے ان کا اتباع نہیں کیا، اور جب قوم صحیح قائد کا اتباع نہ کرے تو اس کی رہنمائی کا فائدہ قوم کو کس طرح مل سکتا ہے۔ یہاں میں سرسید احمد خان کی مثال دینا چاہتا ہوں، انہوں نے واضح طور پر قوم کو ایک رہنمائی دی، بعد کے تجربات نے بتایا کہ یہ رہنمائی درست تھی۔ مگر بہت تھوڑے لوگوں کو چھوڑ کر قوم نے ان کا ساتھ نہیں دیا، بلکہ انہیں کافر اور گمراہ اور دشمنوں کا ایجنٹ کہا۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کو سرسید کی رہنمائی کا فائدہ نہیں مل سکتا تھا، اور نہ انہیں فائدہ ملا۔ سرسید مسلمانوں کے اس دور کے اُن حالات سے شدید طور پر متاثر ہوئے، چنانچہ انہوں نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ یورپ کا غلبہ اور اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مغلوبیت کا راز کیا ہے، سرسید نے نہایت درست طور پر جانا کہ اس کا سبب حقیقۃً اغیار کی سازش نہیں بلکہ خود مسلمانوں کی یہ کمی ہے کہ وہ جدید دور کی تعلیم سے پیچھے رہ گئے، انہوں نے اس راز کو سمجھا کہ موجودہ زمانہ علمی انقلاب کا زمانہ ہے، اس علمی انقلاب میں یورپ کی قومیں آگے ہیں اور مسلمانوں کی پس ماندگی کا حال یہ ہے کہ وہ ابھی تک اس علمی انقلاب میں داخل بھی نہ ہو سکے۔ سرسید کی رہنمائی نہایت صحیح رہنمائی تھی، مگر مسلمانوں نے سرسید کی اس رہنمائی کو قبول نہیں کیا اور جب رہنمائی کو اختیار نہ کیا جائے تو اس کا فائدہ کس طرح کسی کو مل سکتا ہے۔

سید ناظر علی [لندن]

تحریک پاکستان کے گولڈ میڈل اعزاز یافتگان و تعارفِ خدمات

تحریکِ حصول پاکستان کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے صوبہ پنجاب میں ۱۹۸۷ء میں گولڈ میڈل ایوارڈ کا اجراء کیا گیا اور اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے اور اس قرض کو چکانے کے لئے حکومتِ پنجاب نے محکمہ اطلاعات و ثقافت میں [شعبہ تحریکِ پاکستان] قائم کیا۔ اس کے علاوہ حکومتِ پنجاب نے تحریکِ پاکستان سے وابستہ اصحاب پر ایک کمیٹی تشکیل دی جس نے کارکنانِ تحریکِ پاکستان کی ان بے بدل خدمات کے اعتراف کے طور پر انہیں یا ان کے ورثاء کو گولڈ میڈل پیش کرنے کا آغاز کیا، یہ کمیٹی ایک باقاعدہ ادارے کی حیثیت اختیار کر گئی ہے جو ہر سال انتہائی دقتِ نظر سے کام لیتے ہوئے تحریکِ پاکستان کے نامور کارکنوں کو سونے کے تمغے دینے کا فیصلہ کرتی ہے اور حکومت پنجاب ان کی سفارش پر تمغے پیش کرتی ہے۔ اس کمیٹی کی سفارش پر حکومت پنجاب نے یہ اہتمام بھی کیا ہے کہ تحریکِ پاکستان کی وہ قابلِ تعظیم شخصیات جن کا تعلق صوبہ خیبر پختون خواہ، صوبہ سندھ، اور صوبہ بلوچستان سے ہے یا وہ وہاں پر قیام پذیر ہیں، انہیں بھی ان کے کارہائے نمایاں کے اعتراف میں گولڈ میڈل پیش کیا جائے کیونکہ دوسرے صوبوں میں ایوارڈ دینے کا سلسلہ ترک کر دیا گیا ہے، تحریکِ پاکستان سے تعلق رکھنے والی جن قابلِ تعظیم شخصیات کو گولڈ میڈل سے نوازا گیا ہے اُن کے تعارف کو ''صوت الحق'' کے قارئین تک بطور خراجِ تحسین پہنچانے کا سلسلے کے تحت اس شمارے میں ان تمغہ یافتگان کا تعارفِ خدمات پیشِ خدمت ہے۔

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئینِ گلستاں میں
ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے

یوسف عبداللہ ہارون ۔۔ کراچی

برصغیر کے مسلمانوں کی آزادی کے لئے جناب یوسف ہارون نے بھرپور کردار ادا کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپ 1918ء میں کراچی میں ایک مسلم لیگی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی عمر سے ہی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا۔ 1936ء میں آپ کراچی میونسپل کارپوریشن کے رُکن منتخب ہوئے اور 45-1944ء میں کارپوریشن کے ممبر بنے۔ 1941ء میں سندھ سے مرکزی قانون ساز اسمبلی کے رُکن منتخب ہوئے اور قیام پاکستان تک یہ نشست آپ کے پاس رہی۔ آپ نے قائد اعظمؒ کی ہدایات کے مطابق اسمبلی میں مسلمانوں کے حقوق کا بھرپور تحفظ کیا۔

آپ سندھ مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے سالار صوبہ بھی تھے۔ آپ کی اعلیٰ خدمات کے اعتراف میں آپ کو نواب صادق علی

خان کیا یٹارزمنٹ کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ کا سالارِ اعلیٰ بنادیا گیا۔ آپ سندھ مسلم لیگ کے پہلے جوائنٹ سیکریٹری منتخب ہوئے۔ اعلیٰ سیاسی بصیرت کے پیش نظر آپ کو 1944ء میں سندھ مسلم لیگ کا صدر مقرر کیا گیا۔ قیام پاکستان تک یہ عہدہ آپ کے پاس رہا۔ آپ کے والد کی وفات کے بعد آپ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے رُکن منتخب ہوئے۔ یہ عہدہ بھی آپ کے پاس قیام پاکستان تک رہا۔

1946ء میں قائداعظمؒ کے احکامات بجالاتے ہوئے مسلم لیگ پریس فنڈ اکھٹا کرنے لئے بمبئی اور سندھ کے دیگر علاقوں کا تفصیلی دورہ کیا۔ قیام پاکستان کے بعد آپ سندھ کے وزیرِاعلیٰ کے عہدے پر فائز رہے 1969ء میں آپ مغربی پاکستان کے گورنر بھی رہے۔

خواجہ حبیب اللہ۔۔۔ جموں وکشمیر، لاہور

خواجہ حبیب اللہ ایک ایسے مسلم لیگی خاندان کے چشم و چراغ تھے جن کا شمار پاکستان مسلم لیگ کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ آپ کے والد خواجہ عبدالصمد ککڑو 1906 میں ڈھاکہ میں منعقد ہونے والے مسلم لیگ کے تاسیسی اجلاز میں شریک تھے۔ آپ شروع سے ہی جدوجہدِ آزادی میں سرگرم عمل ہوگئے۔ جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔ 1943ء میں یونیورسٹی لاء کالج لاہور میں داخلہ لیا تو مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن میں شمولیت اختیار کرلی اور قافلہ جدوجہدِ آزادی کے ہمقدم ہوئے۔ 1944ء میں خضر۔ قائد مذاکرات کی ناکامی کے بعد اپ اپنی تعلیمی سرگرمیاں معطل کرکے دیگر طلباء کے ہمراہ قائداعظمؒ کا پیغام دُوردراز علاقوں کے لوگوں تک پہنچاتے رہے۔

1946ء کے انتخابات میں نواب ممدوٹ کے حلقہ ضلع فیروزپور میں انتخابی مہم میں بھرپور حصہ لیا۔ 1946ء میں خضر وزارت کے خلاف احتجاجی تحریک کے دوران جب اخبارات پر پابندیاں لگائی گئیں تو مسلم لیگی زعماء میاں محمود علی قصوری اور ملک شوکت علی نے تحریک کی خبریں عوام تک پہنچانے کے لئے ایک سائیکلوسٹائل خبرنامہ جاری کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس خبرنامہ کی اشاعت اور ترسیل کے سلسلے میں اپنی خدمات انجام دینے والوں میں تحریک پاکستان کے دیگر کارکینوں کے ہمراہ خواجہ حبیب اللہ بھی شامل تھے۔ آپ کو ممدوٹ ولا میں قائداعظمؒ کے قیام کے دوران ان کی حفاظت کے لئے دیگر طلباء کے ہمراہ پہرہ دینے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔

دُنیا بھر کے تعلیمی نظام کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس نے تربیت کو یکسر نظرانداز کردیا ہے، کاغذ کے ٹکڑے [ڈگری] کو حاصل کرنے کے بعد بھی ہم تقریباً ویسے ہی حیوان ہوتے ہیں جیسے اُس سے پہلے تھے، دُعا کرتے رہیں یا میرے رَبّ میری زندگی کو کوئی معنی و مقصد عطا فرما۔

اورنگزیب یوسفزئی

سورۃ البلد [90]

سلسلہ وار جدید ترین علمی و عقلی ترجمہ

ازراہ کرم ذیل میں دیئے گئے مبہم اور عدم تسلسل کا شکار روایتی تراجم کے نمونے پر ایک نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ یہ کیسے بے حس انداز میں قرآنی الفاظ کے غیر نمائندہ معانی کو استعمال میں لا رہے ہیں۔ دیکھیے کہ ان کی یہ خواہش پرستانہ حکمتِ عملی کیسے قرآن کے آفاقی اور ابدی اہداف و مقاصد کو بڑے پیمانے پر ناقابلِ فہم بنا دیتی ہے۔ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہمارے چاروں اطراف میں اسی نوعیت کا مواد دستیاب ہے اور پوری مسلم کمیونٹی کو ایک نہایت زچ کر دینے والی صورتِ حال میں مبتلا کر رہا ہے۔ براہ مہربانی اس کے بعد میں آنے والی اس کوشش کا بھی مطالعہ کریں جو قرآن میں داخل کردہ ملاوٹوں کو پاک کرنے کے ضمن میں کی جارہی ہے اور دیکھیں کہ ایک علمی اور شعوری ترجمے کے ذریعے قرآن کی سچی روشنی کیسے انسانیت کو فیضیاب کرتی ہے۔

لَا أُقْسِمُ بِهَٰذَا الْبَلَدِ ﴿١﴾ وَأَنتَ حِلٌّ بِهَٰذَا الْبَلَدِ ﴿٢﴾ وَوَالِدٍ وَمَا وَلَدَ ﴿٣﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ ﴿٤﴾ أَيَحْسَبُ أَن لَّن يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ﴿٥﴾ يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ﴿٦﴾ أَيَحْسَبُ أَن لَّمْ يَرَهُ أَحَدٌ ﴿٧﴾ أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ ﴿٨﴾ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ﴿٩﴾ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ﴿١٠﴾ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿١١﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿١٢﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿١٣﴾ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ﴿١٤﴾ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿١٥﴾ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿١٧﴾ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ﴿١٨﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ﴿١٩﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿٢٠﴾

قدیمی روایتی تراجم کا ایک نمونہ

قسم کھاتا ہوں اِس شہر کی۔ اور حال یہ ہے کہ (اے نبیؐ) اِس شہر میں تم کو حلال کر لیا گیا ہے۔ اور قسم کھاتا ہوں باپ کی اور اس اولاد کی جو اس سے پیدا ہوئی۔ درحقیقت ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔ کیا اُس نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اُس پر کوئی قابو نہ پا سکے گا؟ کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال اڑا دیا۔ کیا وہ سمجھتا ہے کہ کسی نے اُس کو نہیں دیکھا؟ کیا ہم نے اُسے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے؟ اور دونوں نمایاں راستے اُسے (نہیں) دکھا دیئے؟ مگر اس نے دشوار گزار گھاٹی سے گزرنے کی ہمت نہ کی۔

اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا۔ یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا ہر (اس کے ساتھ یہ کہ) آدمی اُن لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر اور (خلق خدا پر) رحم کی تلقین کی۔ یہ وہ لوگ ہیں دائیں بازو والے۔ اور جنہوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کیا وہ بائیں بازو والے ہیں۔ ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی۔"

جدید ترین علمی و شعوری ترجمہ

اس شہر کی قسم نہیں کھاتا [**لا أُقسم**] اگرچہ کہ تم اسی شہر کے باسی ہو۔ لیکن میں قسم کھاتا ہوں اُس محبت کی جو ایک باپ اور اُس کی اولاد کے درمیان موجود ہوتی ہے کہ ہم نے انسان کو دو متبادل اختیاری راہوں کے درمیان پیدا کیا ہے [**فی کبد**]۔ کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ کوئی اس کے حقیقی کردار کی تفتیش و تعیین نہیں کر سکتا [**یقدر علیه**]؟ وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ تو اپنے مال میں سے بے تحاشا خرچ کرتا رہا ہے؟ کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اُس کی سچائی پرکھنے کے لیے کوئی اس کی نگرانی نہیں کر رہا؟ کیا ہم نے ہی اسے دو آنکھیں، ایک زبان اور دو ہونٹ مہیا نہیں کیے ہیں؟ اور پھر اس کی راہنمائی اُن دو شاہراہوں کی جانب نہیں کر دی؟ لیکن اس نے ان میں سے مشکل چڑھائی والا راستہ چڑھنے کی کوشش [**فَلَا اقْتَحَمَ**] ہی نہیں کی۔ اور تمہیں کون یہ شعور دے گا کہ یہ مشکل چڑھائی والا راستہ دراصل کیا ہے [**مَا الْعَقَبَةُ**]۔ یہ راستہ ہے کسی قیدی کو یا کسی قسم کی پابندی میں جکڑے ہوئے انسان کو آزادی میسر کرنا؛ یا بھوک اور قحط کے دور میں اپنے قریبی یتیم کو یا فاقہ زدہ مسکین کو سامانِ زیست عطا کرنا۔ اس کے بعد ہی وہ اُن میں شمار کیا جائے گا جنہوں نے اَمن و ایمان کی دولت حاصل کر لی اور استقامت و رحمت کے راستے کی تلقین کرتے رہے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو یمن و سعادت والے ہیں [**اصحاب المیمنة**]۔ اس کی بہ نسبت وہ جنہوں نے اللہ کے پیغام کو جھٹلایا، وہ بدی اور پھٹکار کے حامل ہیں [**اصحاب المشامة**]۔ ان کا انجام ایک ایسی آگ ہے جو مستقل بھڑکنے والی [**موصدة**] ہے۔"

مشکل الفاظ کے مستند معانی:

Kabad: کبد؛ ک ب د: In the middle of two options or extremities.
Qaf-Dal-Ra: ق د ر = to measure/decree/determine/stint/straiten, to have power, to be able, a measure, means, ability, a term/decree, doom, destiny, measured, decreed. qudrun - knowledge, law, value, power, measure, majesty, ability, glory, honour, standard, limit, destiny. taqdir - knowledge, law, measuring decree, judgement, ordering. maqduran - made absolute, executed. miqdar - due measurement, definite quantity. qidr (pl. qudurun) - cooking pot. qaddara - to make possible, prepare, devise, lay plan, facilitate. muqtadir - powerful, able to prevail.
= Lam-Ba-Dal: لبد = stuck/clave/adhered (to the ground/thing), remain fixed/steady and looked or considered, remain/continue/dwelt/stay in a place, become

اورتم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا۔ یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو
کھلانا ہر (اس کے ساتھ یہ کہ) آدمی اُن لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر اور (خلق خدا پر رحم)
کی تلقین کی۔ یہ وہ لوگ ہیں دائیں بازو والے۔ اور جنہوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کیا وہ بائیں بازو والے ہیں۔ ان پر
آگ چھائی ہوئی ہوگی۔"

جدید ترین علمی و شعوری ترجمہ

اس شہر کی قسم نہیں کھاتا [لا أقسم] اگر چہ کہ تم اسی شہر کے باسی ہو۔ لیکن میں قسم کھاتا ہوں اُس محبت کی جو ایک باپ اور
اولاد کے درمیان موجود ہوتی ہے کہ ہم نے انسان کو دو متبادل اختیاری راہوں کے درمیان پیدا کیا ہے [في كبد]۔ کیا وہ یہ سمجھتا
ہے کہ کوئی اس کے حقیقی کردار کی تفتیش و تعیین نہیں کر سکتا [يقدر عليه]؟ وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ تو اپنے مال میں سے بے تحاشا
خرچ کرتا رہا ہے؟ کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اُس کی سچائی پر کھنے کے لیے کوئی اس کی نگرانی نہیں کر رہا؟ کیا ہم نے ہی اسے دو آنکھیں
ایک زبان اور دو ہونٹ مہیا نہیں کیے ہیں؟ اور پھر اس کی راہنمائی اُن دو شاہراہوں کی جانب نہیں کر دی؟ لیکن اس نے ان میں سے
مشکل چڑھائی والا راستہ چڑھنے کی کوشش [فَلَا اقْتَحَمَ] ہی نہیں کی۔ اور تمہیں کون یہ شعور دے گا کہ یہ مشکل چڑھائی کا راستہ
دراصل کیا ہے [مَا الْعَقَبَة]۔ یہ راستہ ہے کسی قیدی کو یا کسی قسم کی پابندی میں جکڑے ہوئے انسان کو آزادی میسر کرنا؛ یا جو
قحط کے دور میں اپنے قریبی یتیم کو یا فاقہ زدہ مسکین کو سامانِ زیست عطا کرنا۔ اس کے بعد ہی وہ اُن میں شمار کیا جائے گا جنہوں نے
اُمن و ایمان کی دولت حاصل کر لی اور استقامت و رحمت کے راستے کی تلقین کرتے رہے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو یمن و سعادت
والے ہیں [اصحاب الميمنة]۔ اس کی بہ نسبت وہ جنہوں نے اللہ کے پیغام کو جھٹلایا، وہ بدی اور پھٹکار کے حامل ہیں
[اصحاب المشامة]۔ ان کا انجام ایک ایسی آگ ہے جو مستقل بھڑکنے والی [موصدة] ہے۔"

مشکل الفاظ کے مستند معانی:

[illegible] کبد ک ب د In the middle of two options or extremities.
[illegible]-Ra: ق د ر = to measure/decree/determine/stint/straiten, to have power, to be
[illegible] measure, means, ability, a term/decree, doom, destiny, measured, decreed.
[illegible] - knowledge, law, value, power, measure, majesty, ability, glory, honour,
[illegible] limit, destiny. taqdir - knowledge, law, measuring decree, judgement,
[illegible] maqduran - made absolute, executed. miqdar - due measurement,
[illegible] quantity. qidr (pl. qudurun) - cooking pot. qaddara - to make possible,
[illegible] devise, lay plan, facilitate. muqtadir - powerful, able to prevail.
[illegible]-Ba-Dal: لبد = stuck/clave/adhered (to the ground/thing), remain fixed/steady
[illegible] or considered, remain/continue/dwelt/stay in a place, become

intermingled/compacted/coherent, make together, become ... equat, swarm, stifling crowd, that which is packed densely, abundant/much
Qaf-Ha-Miim: aqtahama: اقحم : ق ح م = to rush, enter, undertake ... (the uphill path), make haste, try, plunge, invade, jump, impel, embark boldly
Mayimanati – میمنۃ: Ya-Miim-Nun = right side, right, right hand, oath, bless, lead to the right, be a cause of blessing, prosperous/fortunate/lucky.
: Shiin-Alif-Miim = to draw ill or misfortune upon oneself, cause مشأمۃ Mush'amati – dismay or ill luck, to be unlucky, be struck with wretchedness and contempt, regarding as an evil omen, unprosperous, left of something (in space/direction), desiring the left, journey to Syria, occupants of low ignoble place, a mole. shu'mun - wretchedness, contempt, calamity, unrighteousness. ashab al mash'amah - the wretched ones, those who have lost themselves in evil and are prone to unrighteousness. Those who shall have their records given to them in their left hand.

بڑی کامیابی

انگریزی کے ایک شاعر نے کہا ہے ''جس شخص کو دنیا میں بڑا آدمی بننا ہوتا ہے وہ اس وقت کام میں مصروف رہتا ہے جس وقت عام لوگ سو رہے ہوتے ہیں'' مطلب یہ ہے کہ ایسا آدمی صرف عام وقتوں ہی میں کام نہیں کرتا بلکہ اس وقت بھی کام کرتا ہے جب کہ لوگ اپنے کام سے فارغ ہو کر آرام کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ لوگوں سے زیادہ کام کرتا ہے اس لئے وہ لوگوں سے زیادہ ترقی حاصل کرتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ زیادہ بڑی کامیابی ہمیشہ زیاد بڑی محنت کا نتیجہ ہوتی ہے۔

سری وی رمن ہندوستان کے مشہور سائنسدان گزرے ہیں جن کو نوبل انعام دیا گیا۔ ان سے کسی نے کہا کہ سائنس دانوں نے بڑی بری دریافتیں کی ہیں ان میں سائنس دانوں کا اپنا کوئی کارنامہ نہیں، کیونکہ اکثر دریافتیں محض اتفاق سے حاصل ہوئی ہیں۔ ڈاکٹر رمن نے جواب دیا ''ہاں مگر ایسا اتفاق صرف ایک سائنس دان کو پیش آتا ہے''۔

سائنسی دریافتیں [مثلاً بجلی کی دریافت] اکثر اس طرح ہوئی ہیں کہ ایک سائنس داں اپنی تجربہ گاہ میں تحقیق کر رہا ہے۔ تحقیق کرتے کرتے اچانک ایک چیز چمک اُٹھی، اب سائنس دان نے اس کی کھوج شروع کی۔ یہاں تک کہ وہ ایک نئی دریافت تک پہنچ گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نئی دریافت اگرچہ اچانک ہوتی ہے، مگر یہ اچانک دریافت اسی شخص کے حصہ میں آتی ہے جو مسلسل تحقیق و تلاش میں لگا ہوا ہو۔ کوئی آدمی بے کار بیٹھا ہوا ہو تو اس کے ساتھ ایسا خوش قسمت لمحہ کبھی نہیں آئے گا۔

یہی معاملہ زندگی کی تمام ترقیوں کا ہے۔ بڑی کامیابی اکثر کسی کے حصہ میں اسی طرح آتی ہے کہ وہ اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔ وہ محنت میں رات دن ایک کئے ہوئے ہے۔ پھر اچانک ایک موقع سامنے آتا ہے اور وہ اس کو استعمال کر کے آگے بڑھ جاتا ہے۔ یہ موقع اچانک آتا ہے اور پہلے سے بتائے بغیر آتا ہے۔ کوئی شخص دن کو کام کرے اور رات کو غافل ہو تو رات کو وہ موقع آئے گا اور وہ اس سے فائدہ اُٹھانے سے محروم رہ جائے گا، بڑی کامیابی ہمیشہ بڑی جدوجہد سے حاصل ہوتی ہے۔ بڑی کامیابی حاصل کرنے کی دوسری کوئی صورت نہیں۔

المشامة). They are doomed to a perpetually (moosadah – موصدة) burning fire."

Vocabulary:

Kabad – كبد؛ك ب د: 'n the middle of two options or extremities.

Qaf-Dal-Ra: ق د ر = to measure/decree/determine/stint/straiten, to have power, to be able, a measure, means, ability, a term/decree, doom, destiny, measured, decreed.
qudrun - knowledge, law, value, power, measure, majesty, ability, glory, honour, standard, limit, destiny. taqdir - knowledge, law, measuring decree, judgement, ordering. maqduran - made absolute, executed. miqdar - due measurement, definite quantity. qidr (pl. qudurun) - cooking pot. qaddara - to make possible, prepare, devise, lay plan, facilitate. muqtadir - powerful, able to prevail.
= **Lam-Ba-Dal:** لبد = stuck/clave/adhered (to the ground/thing), remain fixed/steady and looked or considered, remain/continue/dwelt/stay in a place, become intermingled/compacted/coherent, make together, become felted, aquat, swarm, stifling crowd, that which is packed densely, abundant/much.
Qaf-Ha-Miim: aqtahama=ق ح م:اقتحم:to rush, enter, undertake, attempt(the uphill path,(make haste, try, plunge, invade, jump, impel, embark boldly.
Mayimanati:ميمنة–**Ya-Miim-Nun**=right side, right, right hand, oath, bless, lead to the right, be a cause of blessing, prosperous/fortunate/lucky.
Mush'amati:مشامة–**Shiin-Alif-Miim**=to draw ill or misfortune upon oneself, cause dismay or ill luck, to be unlucky, be struck with wretchedness and contempt, regarding as an evil omen, unprosperous, left of something (in space/direction,(desiring the left, journey to Syria, occupants of low ignoble place, a mole. shu'mun- wretchedness, contempt, calamity, unrighteousness. ashab al mash'amah - the wretched ones, those who have lost themselves in evil and are prone to unrighteousness. Those who shall have their records given to them in their left hand.

طاقتور کے مقابلے میں آدمی زیادہ بول نہیں پاتا۔ مگر جب کمزور سے معاملہ ہو تو وہ خوب زبان درازی دکھاتا ہے۔ اس کی یہ زبان درازی اس کو یہ موقع نہیں دیتی کہ وہ سنجیدگی کے ساتھ معاملے کو سمجھے اور حق کو مان کر اس کے مطابق وہ کرے جو اسے کرنا چاہیے۔ اللہ سے ڈریں اور کمزوروں کے ساتھ رحم کا رویہ اپنائیں۔

an-najdayini. Falaa aqtahama al'aqabah. Wa maa adraaka ma al'aqabah. Fakku raqabah. Aou it'aamum fi youmin zee masghabatin, yateeman zaa maqrabatin, aou miskeenan zaa matrabah. Thumma kaana min allazina aamanu wa tawasau bis-sabri wa tawasau bil-marhimah. Oolaaika ashaabul mayimanah. Wa allazina kafaru bi-aayaatina hum ashaabul mash'amah. 'Alayihim naarun moosadah."

Old Traditional Translation:

"Nay! I swear by this city. – this city wherein you have been rendered violable– and I swear by the parent and his offspring: Verily We have created man into toil and hardship. Does he think that no one can overpower him? He says: "I have squandered enormous wealth." Does he believe that none has seen him? Did We not grant him two eyes, and a tongue and two lips? And did We not show him the two highroads (of good and evil)? But he did not venture to scale the difficult steep. And what do you know what that difficult steep is? It is freeing someone's neck from slavery; or giving food on a day of hunger. to an orphan near of kin; or to a destitute lying in dust; and, then besides this, he be one of those who believed, and enjoined upon one another steadfastness and enjoined upon one another compassion. These are the People of the Right Hand. As for those who rejected Our Signs, they are the People of the Left Hand. Upon them shall be a Fire that will hem them in." (Asad)

The latest Academic and Rational Translation:

"I do not swear (laa uqsimu – لااقسمُ) by this city though you are a resident of it. But I swear by the unfailing love between a father and his offspring (waalidin wa maa walada – والدوماولد), that we have created man in the middle of two optional ways (fi kabad – فی کبد). Does he consider that no one can measure and determine his real performance (yaqdira 'alayi-hi – يقدِر عليه)? He does boast he has spent loads of money (maalan lubadan – مالالُبدا). Does he think no one checks the truth of his claims? Isn't that WE WHO have provided him with two eyes, and a tongue and two lips; and then guided him towards those two highlands? But he did not attempt the difficult one with a steep ascent. And what would tell you as to what the difficult, steep ascent means (maa al-'aqaba – ما العقبة)? It is the freeing of a captive or enslaved; or providing sustenance in times of hunger or famine (Zee masghabatin – ذی مسغبة) to an orphan who is near to you, or to a destitute in misery. Then will he be counted among those who attained to faith and peace and pursued the way to steadfastness and mercy. Such are the blessed and rewarded ones (ashaab ul-Maymanati – اصحاب المیمنة). And those who hide the truth of our injunctions, they are the evil and wretched ones (ashaab-ul-Mush'amati – اصحاب

AURANGZAIB YOUSUFZAI

Thematic Quranic Translation Series

Chapter Al-Balad (90)

PREAMBLE

Kindly have a look at the following typical example of Vague and Inconsistent Traditional Translations which remorselessly keep employing the least representative meanings of Quranic words! Their well thought-out methodology successfully turns Quran's universal and eternal goals and targets largely unintelligible. Unfortunately, this is the stuff available all around us rendering the entire Muslim community in a fix. Kindly check the subsequent latest attempt in purifying the face of Quran from organized distortion and interpolations and notice as to how Quran's True Light inspires the humanity when it is successfully drawn forth.

The Chapter Al-Balad (90)

لَا أُقْسِمُ بِهَـٰذَا الْبَلَدِ ﴿١﴾ وَأَنتَ حِلٌّ بِهَـٰذَا الْبَلَدِ ﴿٢﴾ وَوَالِدٍ وَمَا وَلَدَ ﴿٣﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي
كَبَدٍ ﴿٤﴾ أَيَحْسَبُ أَن لَّن يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ﴿٥﴾ يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ﴿٦﴾ أَيَحْسَبُ أَن لَّمْ يَرَهُ
أَحَدٌ ﴿٧﴾ أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ ﴿٨﴾ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ﴿٩﴾ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ﴿١٠﴾ فَلَا اقْتَحَمَ
الْعَقَبَةَ ﴿١١﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿١٢﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿١٣﴾ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ﴿١٤﴾ يَتِيمًا ذَا
مَقْرَبَةٍ ﴿١٥﴾ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا
بِالْمَرْحَمَةِ ﴿١٧﴾ أُولَـٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ﴿١٨﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ
الْمَشْأَمَةِ ﴿١٩﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿٢٠﴾

Transliteration:

"Laa uqsimu bi-haadha al-balad. Wa anta hillun bi-haadhal Balad. Wa waalidin wa maa walada; laqad khalaqnaa al-Insaana fi kabad. A'yuhsabu ann-lun yaqdira 'alayi-hi ahad. Yaqoolu ahlaktu maalan lubadan. A'yahsabu an lum yara-hu ahadan; a'lum naj'al la-hu 'ayinayini; wa lisanan wa shafatayini; wa hadayinaa-hu